بسم الله الرحمن الرحيم

﴿يَـااَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوااللّٰهَ وَاَطِيْعُواالرَّسُوْلَ وَاُوْلِى الْاَمْرِمِنْكُمْ فَاِنْ تَنَـازَعْتُـمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَـأْوِيْلاً(٥٩) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَااُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً بَّعِيْدًا(٦٠) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ (النساء: ٦١)

”اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو‘ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے۔ کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو‘ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں‘ اس پر جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل ہوا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ طاغوت کا انکار کر دیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور جا ڈالے۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے نازل کردہ (حکم) کی طرف‘ اور رسول کی طرف‘ تو آپ منافقین کو دیکھیں گے‘ کہ رک رک کر آپ سے ہٹتے ہیں۔“

جمہوریت نظام کفر ہے

اسے اختیار کرنا، اسے نافذ کرنا

اور اس کی طرف دعوت دینا

حرام ہے

عبدالقدیم زلّوم

عربی سے ترجمہ: ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

حزب التحریر

جمہوریت نظامِ کفر ہے

جمہوریت، جسے کافر مغرب نے مسلمانوں کے ممالک میں دھکیل دیا، ایک کافرانہ نظام ہے، جس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ اسلامی احکامات سے، کلیات اور جزئیات میں اور اس مصدر میں، جس سے یہ نکلا، اور اس عقیدہ میں، جس سے یہ پھوٹا، اور اس اساس میں، جس پر یہ قائم ہے، اور ان افکار اور نظاموں میں، جنہیں یہ اپنے ساتھ لایا ہے، مکمل طور پر متناقض ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے اس کو اختیار کرنا، اس کو نافذ کرنا یا اس کی طرف دعوت دینا بالکل حرام ہے۔

جمہوریت ایک ایسا نظامِ حکومت ہے، جس کو انسانوں نے اس لیے وضع کیا کہ وہ ظالم حکمرانوں سے نجات اور دین کے نام پر لوگوں کو محکوم بنانے کے عمل سے چھٹکارا پا سکیں۔ چنانچہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کا منبع خود انسان ہیں، اور وحی یا دین کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کی ابتداء کی بنیاد یہ ہے کہ یورپ میں حکمران یہ گمان کرتے تھے کہ حکمران زمین پر اللہ کا وکیل ہوتا ہے۔ سو وہ اللہ کی قوت (اختیار) سے انسانوں پر حکومت کرتا ہے۔ وہ یہ گمان بھی کرتے تھے کہ اللہ ہی نے حکمران کو قانون سازی اور اس کے نفاذ کا اختیار دیا ہے۔ یعنی ان کو اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کے ذریعے انسانوں پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ چونکہ وہ اپنی قوت کو اللہ سے حاصل کردہ تصور کرتے تھے، نہ کہ لوگوں سے، اس لیے وہ انسانوں پر ظلم کیا کرتے تھے اور اپنی اس غلط گمانی کی وجہ سے وہ لوگوں کو ایسا محکوم بناتے تھے، جیسا ایک آقا اپنے غلام کو بناتا ہے۔ اسی وجہ سے حکمرانوں اور عوام الناس کے درمیان ایک کشمکش شروع ہوگئی پھر فلاسفر اور مفکرین میدان میں آ گئے۔ حکومت کے موضوع پر مباحثے شروع ہوگئے۔ پس انہوں نے عوام کی حکومت کا ایک

نظام وضع کیا' جو یہی جمہوری نظام ہے۔اس نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوں گے' حکمران ان سے قوت حاصل کرے گا اور حاکمیت عوام کی ہوگی۔عوام اپنے ارادوں کے خود مالک ہوں گے۔ اس کو عملی جامہ پہنائیں گے اور اپنی مرضی سے حکومت چلائیں گے اور ان پر کسی کی بالادستی نہیں ہوگی۔وہی بالادست ہوں گے' وہی حکومت کے لیے قانون سازی کریں گے' اور اسی کے مطابق چلیں گے اور وہی حکمران متعیّن کریں گے۔تاکہ وہ اس قانون کے مطابق' جس کو عوام نے بنایا ہے' ان کی نمائندگی کرتے ہوئے اُن پر حکمرانی کرے۔

چنانچہ جمہوری نظام کا پورا منبع انسان ہے' وحی یا دین کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ جمہوریت ایک مغربی لفظ اور مغربی اصطلاح ہے۔جس کا اطلاق ''عوام کی قانون سازی کے ذریعے عوام کے لیے عوام کی حکومت'' پر ہوتا ہے۔پس عوام ہی بالادست اور بااختیار ہیں' جو زمامِ اقتدار کے مالک ہیں۔اپنے ارادے کے مطابق چلیں گے اور اسی ارادہ کو استعمال کریں گے۔وہ کسی اور قوت کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔وہی صاحبِ اختیار ہونے کی وجہ سے اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے نظام اور قوانین بنوائیں گے۔اور اپنے مقرر کردہ حاکموں اور ججوں کے ذریعے ان قوانین اور نظاموں کو نافذ کریں گے۔یہ لوگ (حکمران اور جج) عوام کی قوت کا سرچشمہ ہونے کی وجہ سے انہی سے قوت حاصل کریں گے۔اور عوام کے ہر فرد کو ریاست بنانے' حکمران مقرر کرنے' قوانین اور نظام وضع کرنے کا مساوی حق حاصل ہے۔

جمہوریت کا اصول' یعنی عوام کا بذاتِ خود حکومت کرنا اسی طرح ہے کہ تمام کے تمام لوگ ایک عام میدان میں جمع ہوں اور نظام اور حکمرانی کے قوانین بنائیں' اپنے معاملات کو چلائیں اور جن امور کے فیصلے کی ضرورت ہو' ان کا فیصلہ کریں۔

چونکہ تمام عوام کا قانون سازی کا ادارہ بنانے کے لیے ایک میدان میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں' اسی لیے قانون سازی کی مجلس کے لیے وہ اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں' اور اسی کو پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔جمہوری نظام میں پارلیمنٹ ہی عوام کی خواہشات کی نمائندگی کرتی ہے اور عام لوگوں کے ارادوں کا یہی سیاسی ڈھانچہ ہے۔یہی حکومت تشکیل دیتا ہے اور یہی مملکت کے

لیے سربراہ کا چناؤ کرتا ہے۔ تاکہ وہ عوام کے ارادوں کو نافذ کرنے کے لیے ان کا وکیل اور حاکم بنے۔ یہ اپنی قوت بھی عوام سے حاصل کرتا ہے' جنہوں نے اپنے بنائے ہوئے قوانین اور نظاموں کے مطابق حکومت کرنے کے لیے اسے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا اصل بالادست عوام ہیں۔ وہی قانون بناتے ہیں اور وہی ان قوانین کو نافذ کرنے کے لیے حکمران کا انتخاب کرتے ہیں۔

چونکہ اس نظام میں عوام خود اپنے حاکم ہوتے ہیں' اپنی بالادستی کو استعمال کرتے ہیں' قوانین اور زندگی کے بارے میں نظام بنا کر اپنے ارادے کو نافذ کرتے ہیں اور بغیر کسی دباؤ اور مجبوری کے' اپنے حکمران کا انتخاب کرتے ہیں' چنانچہ عام آزادیاں ہی اس کی بنیاد ہیں۔ جمہوریت عوام کے ہر فرد کے لیے ان آزادیوں کا اہتمام کرتی ہے' تاکہ عوام کو واقعی آزادی حاصل ہو اور وہ اپنے ارادے پر عمل کریں اور بغیر کسی دباؤ اور مجبوری کے' آزادی کی انتہاء تک اپنے آپ کو پہنچائیں۔ ان آزادیوں کو چار آزادیوں کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱)۔ عقیدے کی آزادی

(۲)۔ آزادیٔ رائے

(۳)۔ ملکیت کی آزادی

(۴)۔ شخصی آزادی

جمہوریت دین کی زندگی سے علیحدگی کے عقیدے سے نکلی ہے اور اسی عقیدے پر سرمایہ دارانہ مبدأ قائم ہے۔ یہی درمیانے حل (حلِ وسط) کا عقیدہ ہے' اور اسی کے نتیجے میں یورپ و روس کے بادشاہوں اور قیصروں اور فلاسفر و مفکرین کے درمیان کشمکش برپا ہوئی ہے۔ کیونکہ بادشاہ اور قیصر یہ گمان کر کے' کہ وہ زمین پر اللہ کے وکیل ہیں' دین کو عوام کا غلام بنانے' ان پر ظلم کرنے اور ان کا خون چوسنے کا ذریعہ بناتے تھے اور دین دار لوگوں کو اس مقصد کے لیے اپنا آلۂ کار بناتے تھے۔ چنانچہ ان کے اور عوام کے درمیان ایک خوفناک کشمکش برپا ہوئی۔ اسی دوران فلاسفر اور مفکرین میدان میں کود پڑے۔ ان میں سے کچھ نے تو دین کا سرے سے انکار کر دیا اور بعض لوگوں نے دین کا اعتراف تو کیا' لیکن زندگی میں پھر اس کے نتیجے میں مملکت سے اس کی

جدائی کا نعرہ لگایا۔ یہ کشمکش ''حلِ وسط'' کی فکر پر منتج ہوئی۔ یعنی دین کی زندگی سے جدائی کی فکر پر اور اس کے نتیجے میں لازمی طور پر دین ریاست سے بھی جدا ہو گیا۔ یہی فکر وہ عقیدہ ہے' جس پر سرمایہ دارانہ مبدأ قائم ہے اور یہی اس کا فکری قاعدہ ہے' جس پر اس کے تمام افکار مبنی ہیں۔ یہی اس کی فکر اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر کی اساس ہے اور اسی بنیاد پر وہ زندگی کے تمام مسائل حل کرتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ فکری قیادت ہے' جس کا مغرب علمبردار ہے اور پوری دنیا کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔

جب اس عقیدے نے دین اور کلیسا کو ریاست اور زندگی سے' پھر نظاموں اور قوانین کو وضع کرنے سے اور حکمرانوں کے تقرر اور اختیار کے ذریعے ان کی مدد کرنے سے دور کیا' تو عوام کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے لیے نظام کا انتخاب بھی خود کریں۔ اپنے نظام اور قوانین بنائیں اور ایسے حکمران مقرر کریں' جو ان نظاموں اور قوانین کے مطابق ان پر حکومت کریں اور حکمران اپنی قوت بھی عوام کے جمہوری اداروں سے حاصل کریں۔

یہاں سے جمہوریت کی ابتداء ہوتی ہے۔ پس زندگی سے علیحدہ ہونے کی فکر ہی وہ عقیدہ ہے' جس سے یہ پیدا ہوئی اور یہی اس کا فکری قاعدہ ہے' جس پر جمہوریت کے تمام افکار مبنی ہیں۔

جمہوریت ان دو افکار کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے:

(الف)۔ حاکمیت اعلیٰ عوام کی ہے۔

(ب)۔ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

یہی وہ دو افکار تھے جنہیں فلاسفر اور مفکرین' بادشاہوں اور شہنشاہوں سے رسہ کشی کے دوران یورپ میں لے کر آئے تا کہ ''الوہی حق'' کے اس نظریے کو ختم کیا جا سکے' جو یورپ میں اس وقت چھایا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ سمجھتے تھے کہ عوام پر ان کا الٰہی حق ہے۔ وہی قانون سازی' حکومت اور فیصلوں کے مالک ہیں۔ وہ ریاست ہیں اور عوام ان کی رعایا ہیں' اور قانون سازی میں عوام کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح اقتدار اور فیصلے میں' اور نہ کسی اور چیز میں انہیں کوئی حق حاصل

ہے۔ وہ ایسے غلام کی طرح ہیں، جس کی کوئی رائے یا ارادہ نہیں، بلکہ اس پر اطاعت اور احکامات کو بجالانا فرض ہے۔

چنانچہ مذکورہ دو افکار حق الٰہی کی فکر کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لیے، اور قانون سازی و اختیار کو عوام کے حوالے کرنے کے لیے پیش کیے گئے۔ کیونکہ عوام ہی بالادست ہیں، وہ بادشاہوں کے غلام نہیں، وہ اپنے وجود کے خود مالک ہیں، اور ان کا کوئی آقا نہیں۔ اس لیے لازمی طور پر وہ اپنے ارادوں کے بھی خود مالک ہیں۔ اپنے ارادوں کے مطابق چلیں گے، وگرنہ وہ غلام ہی ٹھہریں گے۔ چونکہ غلام کا معنی ہی یہ ہے کہ وہ دوسروں کے ارادوں پر چلتا ہے، لہٰذا جب وہ اپنے ارادوں کے مطابق نہیں چلیں گے، تو پھر غلام ہی رہیں گے۔ پس عوام کو غلامی سے آزاد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں اپنا ارادہ چلانے کا حق حاصل ہو۔ اسی طرح ان کو اپنے پسندیدہ قوانین بنانے اور ناپسندیدہ قوانین کو ختم کرنے کا حق بھی حاصل ہو۔ وہی بالادست ہیں اور انہی کو اپنے بنائے ہوئے قانون نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔ پس وہ اپنے پسندیدہ حکمران منتخب کریں گے اور اپنے پسند کے قاضی کا انتخاب کریں گے، تاکہ وہ اس قانون کو نافذ کریں، جس کو یہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور حکمران ان سے قوت حاصل کرتے ہیں۔

بادشاہوں اور پادریوں کے خلاف انقلاب کی کامیابی اور حق الٰہی کی فکر کے اختتام کے بعد دو افکار وضع کیے گئے: ''بالادستی عوام کی ہے اور عوام ہی قوت کا سرچشمہ اور نفاذ و اجراء کا مظہر ہیں۔'' یہ دو بنیادیں ہیں، جس پر جمہوری نظام قائم ہے۔ عوام قوت کا سرچشمہ ہونے کی وجہ سے قانون ساز ہیں اور وہی قانون کو نافذ کرنے والے ہیں۔

جمہوریت اکثریت کی حکومت کا نام ہے۔ چنانچہ قانون ساز اداروں کے اراکین عوام کی اکثریت کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں۔ نظاموں اور قوانین کا بنانا، حکومت کو اعتماد کا ووٹ دینا، ان پر عدمِ اعتماد کا اظہار، یہ سب کام پارلیمنٹ میں اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ دیگر تمام فیصلے بھی، جو پارلیمنٹ سے صادر ہوتے ہیں، یا سینٹ یا دوسری مجلسوں اور کمیٹیوں میں ہوتے ہیں، اکثریت ہی کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں اور حکمرانوں کا انتخاب براہِ راست عوام کے ذریعے یا ان

کے نمائندوں کی اکثریت کے ووٹوں سے کیا جاتا ہے۔

اس لیے جمہوریت کی سب سے بڑی نشانی اکثریت ہے۔ اکثریت کی رائے ہی وہ معیار ہے جو جمہوری نظام کے نقطۂ نظر کے مطابق عوام کی رائے کو ظاہر کرتی ہے۔

جمہوریت کے معنی' اس کا مصدر' اس کی ابتداء کی کیفیت' اور وہ عقیدہ' جس سے یہ نظام وجود میں آیا' اور وہ اساس کہ جس پر اس کی بنیاد ہے' اور وہ امور کہ جو اس کے نفاذ میں عوام کی مدد کرتے ہیں' ان کے متعلق یہ مختصر سا ایک تذکرہ تھا۔ اس مختصر سے تذکرہ سے درجِ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(۱) جمہوریت انسانی عقل کی اختراع ہے' اللہ کی طرف سے نہیں۔ یہ آسمانی وحی پر بھروسہ نہیں کرتی اور نہ اُن ادیان کی بنیاد پر پروان چڑھی ہے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا۔

(۲) یہ دین کی زندگی سے جدائی کے' اور پھر اس کے نتیجے میں ریاست سے علیحدگی کے عقیدے سے نکلی ہے۔

(۳) یہ دو افکار کی بنیاد پر قائم ہے:

(الف) حاکمیتِ اعلیٰ عوام کی ہے۔

(ب) اختیارات کا سرچشمہ عوام ہیں۔

(۴) یہ اکثریت کی حکومت ہے۔ حکمرانوں اور پارلیمنٹ کے اراکین کا انتخاب ووٹوں کی اکثریت کی بنیاد پر ہوتا ہے' اور تمام فیصلے اکثریت کی رائے کی بناء پر کیے جاتے ہیں۔

(۵) یہ عام آزادیوں کی بات کرتی ہے جو درج ذیل ہیں:

(الف) عقیدے کی آزادی

(ب) آزادیٔ رائے

(ج) ملکیت کی آزادی

(د) شخصی آزادی

ان آزادیوں کو رعایا کے ہر فرد کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے‘ تاکہ ہر شخص اپنی بالادستی کو استعمال کرنے اور اس کو خود چلانے کے قابل ہو۔ حکام کے انتخاب اور پارلیمنٹ کے اراکین کے انتخاب میں‘ بغیر کسی دباؤ اور زبردستی کے‘ مکمل آزادی سے شرکت کرنے میں اپنا حق استعمال کرنے پر قادر ہو۔

پیرا نمبر ا کو ملاحظہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جمہوریت کا فرانہ نظاموں میں سے ہے‘ اسلام میں سے نہیں‘ اور اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس سے قبل کہ ہم اسلام کے ساتھ اس کے تضاد اور اس کو اختیار کرنے میں حکمِ شرعی کو بیان کریں‘ ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہ وضاحت کریں‘ کہ ان ممالک میں بھی‘ جہاں اس کی جڑیں بہت مضبوط ہیں‘ اس کو نافذ ہی نہیں کیا گیا اور یہ جھوٹ اور گمراہی پر مبنی ہے۔ ہم اس کے بگاڑ اور گندگی کو بیان کریں گے۔ نیز اس نے دنیا میں جو مصائب اور تباہی مچائی‘ اور ان معاشروں کے بگاڑ کے اثرات کو‘ جہاں اس کو نافذ کیا گیا‘ اس کا تذکرہ بھی کریں گے۔

جمہوریت اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے ایک ناقابلِ نفاذ خیالی نظریہ ہے۔ چنانچہ نہ تو یہ کبھی پائی گئی اور نہ کبھی پائی جائے گی۔ کیونکہ تمام عوام کا ہمیشہ ایک جگہ ہونا اور عام معاملات پر غور کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ بھی محال ہے کہ تمام عوام حکومت اور انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں‘ لہٰذا انہوں نے جمہوریت کے بارے میں حیلہ بازی سے کام لیا۔ اس کی تاویلیں کیں اور اس کے لیے مملکت کا سربراہ‘ حکومت اور پارلیمنٹ ایجاد کی۔

اس کے باوجود اس تاویل کے بعد بھی اس کے معنی کا حقیقت پر اطلاق نہیں ہوتا اور نہ حقیقت میں یہ کبھی پایا گیا۔ پس ریاست و مملکت کا سربراہ اور پارلیمنٹ‘ تمام عوام کے عام ارادوں کا ایک سیاسی ڈھانچہ ہے اور یہ عوام کی اکثریت کا نمائندہ ہے۔ ان سب باتوں کا حقیقت اور صورتِ حال سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ پارلیمنٹ کے ارکان عوام کی اکثریت کے نہیں‘ بلکہ اقلیت کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ پارلیمنٹ کے ایک ممبر کی سیٹ کے لیے کئی امیدوار ہوتے ہیں‘ ایک شخص نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے رائے دہندگان کے ووٹ ایک حلقہ کے امیدواروں

پر تقسیم ہوجاتے ہیں اور جو شخص حلقہ و انتخاب میں رائے دہندگان کے زیادہ ووٹ حاصل کر لیتا ہے، وہ دراصل اُن تمام لوگوں کے ووٹوں کی اکثریت حاصل کرنے والا نہیں ہوتا، جنہیں حلقے میں انتخاب کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے ممبران میں سے کامیاب ہونے والے لوگوں نے عوام کی اقلیت کے ووٹوں سے کامیابی حاصل کی ہوتی ہے، نہ کہ اس پورے حلقہ کے پورے رائے دہندگان کی اکثریت سے۔ چنانچہ وہ اس اقلیت کے منتخب کردہ اور اسی کے نمائندے ہوتے ہیں، اور اکثریت کے منتخب کردہ اور نمائندے نہیں ہوتے۔

یہی معاملہ صدرِ مملکت کا ہے۔ چاہے اس کا انتخاب براہِ راست عوام کے ذریعے ہو یا ارکان پارلیمنٹ کے ذریعے، بہرحال وہ لوگوں کے ووٹوں کی اکثریت سے منتخب نہیں ہوتا۔ بلکہ اقلیت کے ووٹوں ہی سے ہوتا ہے۔ یہی حال پارلمینٹ کے عام اراکین کا ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ریاستوں کے سربراہ اور پارلیمنٹ کے اراکین، امریکہ اور برطانیہ جیسے ممالک میں، جو جمہوریت کا منبع ہیں، سرمایہ داروں اور بڑے بڑے مالدار لوگوں کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کی نمائندگی کرتے ہیں نہ اکثریت کی رائے کی۔ بڑے بڑے سرمایہ دار انہی لوگوں کو حکومت اور پارلیمنٹ تک پہنچاتے ہیں، جو ان کے مفادات کا خیال رکھیں۔ یہی سرمایہ دار صدارتی اور پارلیمانی انتخابات کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مملکت کے سربراہوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں پر ان کا تسلط ہوتا ہے۔ چنانچہ امریکہ میں بھی یہی صورت حال ہے۔

برطانیہ میں ''کنزرویٹو'' (محافظین) ہی حکمران ہیں اور ''کنزرویٹو پارٹی'' بڑے سرمایہ داروں، تاجروں، جاگیرداروں اور اونچے طبقے کے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ ''لیبر پارٹی'' صرف اس وقت اقتدار میں آسکتی ہے، جب ایسی سیاسی حالت پیدا ہو، جو کنزرویٹو پارٹی سے علیحدہ ہونے کا تقاضا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حکمران اور پارلیمانی اراکین امریکہ اور برطانیہ میں صرف سرمایہ داروں کی نمائندگی کرتے ہیں، عوام کی خواہشات اور ان کی اکثریت کی نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوری ملکوں میں پارلیمنٹ اکثریت کی رائے کی نمائندگی کرتی ہے، سراسر جھوٹ اور گمراہ کن ہے۔

یہ کہنا کہ حکمران عوام کی اکثریت کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں‘ اور اپنے اقتدار کے لیے عوام کا سہارا لیتے ہیں‘ محض دروغ گوئی اور پروپیگنڈہ ہے۔ وہ قانون سازی‘ جو ان مجالسِ نمائندگان میں ہوتی ہے‘ اور وہ فیصلے‘ جو یہ ممالک کرتے ہیں‘ ان میں عوام کے مفادات یا ان کی اکثریت کے لحاظ سے زیادہ‘ سرمایہ داروں کے مفادات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

پھر یہ کہنا کہ حکمران اس پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہے‘ جو عوام کے عام ارادے کو عملی جامہ پہناتا ہے‘ اور یہ کہ وہ بڑے فیصلے پارلیمنٹ کے ارکان کی اکثریت کی موافقت کے بعد کرتا ہے‘ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پس ''ایڈن'' نے مصر کے خلاف سویز جنگ کا اعلان پارلیمنٹ کو بتائے بغیر اور اپنی حکومت میں شامل وزراء میں سے دو یا تین کے سوا کسی کے علم میں لائے بغیر کیا اور سویز کی جنگ کے دوران کانگریس نے ''ڈالس'' سے سدعالی کی فائل طلب کی اور وہ اسباب پوچھے‘ جن کی وجہ سے سویز کی ملکیت حوالے کرنے کی پیشکش کرنا پڑی تو اس نے فائل کانگریس کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اسی طرح ڈیگال اپنے وزراء کو بتائے بغیر فیصلے کیا کرتا تھا اور شاہ حسین بھی بڑے اہم اور خطرناک فیصلے وزراء یا پارلیمانی ارکان کو بتائے بغیر کرتا تھا۔

لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوری ملکوں میں پارلیمنٹ اکثریت کی رائے کی نمائندگی کرتی ہے اور حکام اکثریت کی رائے سے منتخب ہوتے ہیں اور اکثریت کے بنائے ہوئے قوانین اور ان کی خواہشات کے مطابق حکومت کرتے ہیں‘ یہ حقیقت اور صورتِ حال کو جھٹلانا ہے۔ یہ سفید جھوٹ اور گمراہ کن ہے۔ یہ حالات تو ان ملکوں کے ہیں‘ جہاں جمہوریت کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اسلامی ممالک میں مجالسِ نمائندگان کا حال تو اور بھی برا ہے۔ یہ برائے نام ہیں۔ کیونکہ عالمِ اسلام میں کوئی بھی پارلیمنٹ حکمران کی شخصیت میں دخل اندازی‘ اس کو یا اس کے نظامِ حکومت کو چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کرتی۔ مثال کے طور پر اردنی پارلیمنٹ‘ جو جمہوریت کی واپسی اور آزادیوں کی وسعت کے نام پر عمل میں آئی‘ کبھی اس نے جرأت نہیں کی کہ شاہ حسین یا اس کے نظامِ حکومت کا محاسبہ کرے۔ حالانکہ پارلیمنٹ کے تمام ارکان کو معلوم ہے کہ بگاڑ اور اقتصادی زوال

کا سبب نظامِ حکومت کی خرابی اور شاہی خاندان کا مال و دولت کو چرانا ہے۔اس کے باوجود کسی رکن نے اس کی جرأت نہیں کی۔انہوں نے صرف ''زید رفاعی'' اور بعض وزراء پر اعتراض کیا۔حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ زید رفاعی اور وزراء کی حیثیت چھوٹے ملازمین کی سی ہے۔وہ بادشاہ کی اجازت اور اس کے علم کے بغیر معمولی تصرف بھی نہیں کر سکتے۔

یہ بات ایک پہلو سے ہے' اور دوسرے پہلو سے یہ بھی ہے کہ عام طور پر قوانین کو پلان کے طور پر خود حکومت ہی جاری کرتی ہے اور پھر ان کو پارلیمنٹ کی طرف بھیج دیتی ہے۔ وہاں خصوصی کمیٹیاں ان کا جائزہ لیتی ہیں اور ان کے بارے میں اپنی رائے دیتی ہیں۔اس کے بعد ارکانِ پارلیمنٹ ان کی منظوری دیتے ہیں' جبکہ ان میں بہت سے اراکین ان قوانین کی حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے' کیونکہ یہ لوگ ان کے بارے میں کوئی خاص معلومات ہی نہیں رکھتے۔ اس لیے یہ کہنا کہ جمہوری ملکوں میں جو قانون سازی ہوتی ہے' وہ پارلیمنٹ کرتی ہے اور وہ عوام کے عام ارادوں کے مطابق ہوتی ہے اور عوام کی بالادستی کی نمائندگی کرتی ہے' حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

حکمرانی اور حکومت سے متعلق جمہوری نظام کی سب سے نمایاں خرابی یہ ہے کہ جب کسی جمہوری ملک میں بڑی پارٹیاں نہ ہوں کہ جن کو اکثریت حاصل ہو اور وہ حکومت تشکیل دے سکتی ہوں' تو ایسے ممالک میں حکومت ہمیشہ عدم استحکام کا شکار رہے گی اور وہاں حکومتیں ہمیشہ پے در پے سیاسی بحرانوں کی زد میں رہیں گی۔کیونکہ ایسی حکومت کے لیے پارلیمنٹ کی اکثریت سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔نتیجے کے طور پر حکومت چھوڑنی پڑتی ہے۔بعض دفعہ کئی مہینے گزر جاتے ہیں لیکن مملکت کا سربراہ نئی حکومت تشکیل نہیں دے سکتا' جس کی وجہ سے ملک میں حکومت معطل رہتی ہے۔اسی طرح کبھی سربراہ مملکت عدم توازن کی پارلیمنٹ توڑنے اور نئے انتخابات کروانے پر مجبور ہو جاتا ہے' تاکہ نئی حکومت تشکیل دی جا سکے۔اس طرح مملکت میں غیر یقینی صورت حال پیدا ہوتی ہے اور اس کا نظام ڈانواں ڈول اور معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔اس کی مثال اٹلی اور یونان اور ان جیسے دوسرے جمہوری ممالک ہیں۔جہاں بہت سی پارٹیاں ہیں' اور

وہاں کوئی ایسی بڑی پارٹی موجود نہیں، جو واضح اکثریت حاصل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پارٹیوں کے درمیان سودے بازی ہوتی رہتی ہے۔ چھوٹی پارٹیاں ان پارٹیوں سے مل کر حکومت بنالیتی ہیں، جو انہیں حکومت تشکیل دینے کی پیشکش کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ چھوٹی پارٹیاں اپنے مفادات کے لیے سخت شرائط رکھتی ہیں۔ اس طرح یہ چھوٹی پارٹیاں، جو انتہائی کم لوگوں کی نمائندگی کرتی ہیں، بڑی پارٹیوں پر حکومت کرتی ہیں۔ اس طرح یہ ملک کی سیاست اور حکومتی فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

جمہوری نظام کے آزادی کے نظریے نے انسان کو بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے، جو انسانیت کی تباہی کا سامان ہے اور جس کی وجہ سے جمہوری ملکوں کی معاشرتی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئی ہے۔

ملکیت کی آزادی اور منفعت کو اعمال کا پیمانہ بنانے کی وجہ سے وسیع سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آیا۔ پھر اسے اپنے کارخانے چلانے کے لیے خام مال کی ضرورت ہوئی، اور اپنی پیداوار کو فروخت کرنے کے لیے منڈیوں کی حاجت ہوئی۔ چنانچہ یہ سرمایہ دارانہ ریاستیں پسماندہ دنیا کو استعماریت میں جکڑنے، ان کی دولت پر قبضہ کرنے، ان کی پیداوار سمیٹنے، اور ان کے عوام کا خون چوسنے کے لیے دوڑ پڑیں، اور یہ دوڑ انسانی، اخلاقی اور روحانی اقدار کے بالکل منافی تھی۔

یہ سرمایہ دارانہ ریاستیں ''شدتِ طمع و لالچ'' سے اپنی پیداوار کو فروخت کرنے اور اپنے دوہرے فائدے والا جنگی ساز و سامان بیچنے کے لیے انسانی، اخلاقی اور روحانی اقدار سے بالکل عاری ہو کر انسانوں کی جانوں کا سودا کر کے، حرام کمائی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے، قوموں اور ملکوں میں جنگوں کی آگ بھڑکاتی ہیں۔

یہ کس قدر مضحکہ خیز اور قابلِ نفرت بات ہے کہ یہ جمہوری استعماری ممالک مثلاً امریکہ، برطانیہ اور فرانس، ایک طرف اپنے جمہوری ہونے پر اتراتے ہیں، اور جمہوریت، انسانی حقوق کا نعرہ لگا رہے ہیں تو دوسری طرف یہی ریاستیں انسانی اور اخلاقی اقدار پامال کر رہی ہیں۔ انسانی حقوق برباد کر رہی ہیں اور انسانی خون بہا رہی ہیں۔ چنانچہ فلسطین، جنوب مشرقی ایشیا، لاطینی امریکہ، سیاہ فام افریقہ، جنوبی افریقہ، عراق، بوسنیا ہرزگوینا اور چیچنیا اس کی مثالیں ہیں، جو ان کے مکروہ

چہروں کو بے نقاب کرتی ہیں اور ان کے دجل وفریب کا پول کھولتی ہیں۔

یہ شخصی آزادی کی فکر ہی ہے جس نے جمہوری ملکوں کے معاشروں کو ایک حیوانی معاشرے میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ بلکہ اباحیت میں وہ حیوانات سے بھی آگے نکل گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلاً. اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلاً﴾

''کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ کیا تم اس کے کارساز ہو گے؟ کیا تم گمان کرتے ہو کہ ان کی اکثریت سنتی ہے یا سمجھتی ہے؟ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں' بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔'' (الفرقان: ۴۴)

ان جمہوری ملکوں کی مجالسِ نمائندگان کے بنائے گئے قوانین کی وجہ سے جنسی آزادی ان جمہوری معاشروں میں گویا کہ پانی پینے کی طرح عام ہے۔ اس اباحت میں ان کے کلیساؤں نے بھی ان کی طرفداری کی۔ ان کے قوانین نے جنسی تعلقات کو جائز قرار دیا۔ اس لیے معاشرے میں مرد اور عورت کی جنسی آزادی انتہائی عروج پر ہے۔ جب مرد یا عورت ۱۸ برس کے ہو جاتے ہیں' تو مملکت یا والدین ان کو جنسی تعلقات سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

یہ معاملہ طبعی (فطری) تعلقات کے بارے میں قانون سازی پر ختم نہیں ہوا' بلکہ ہم جنس پرستی کو بھی جائز کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی۔ یہاں تک کہ بعض جمہوری ممالک نے تو دو ہم جنسوں کے درمیان شادی کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ یعنی مرد کا مرد کے ساتھ اور عورت کا عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز قرار دے دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ طبعی اور عادتی مظاہرے کے طور پر آپ کو شاہراہوں' راستوں' باغیچوں' گاڑیوں اور بسوں میں نوجوان لڑکے لڑکیاں سرِ عام بوس وکنار کرتے' معانقہ اور چھیڑ چھاڑ کرتے نظر آئیں گے۔ یہ ان کے لیے کوئی تعجب یا حیرانی کی بات نہیں۔ بلکہ یہ ان کے لیے ''امورِ عادیہ اور طبیعہ'' ہیں۔ اسی طرح عورتیں گرمیوں میں دھوپ کا مزہ باغیچوں میں بالکل ننگی ہو کر لیتی ہیں۔

اوراسی طرح گرمیوں میں عورتوں کا برہنہ ہوکر گھومنا اس معاشرے میں عام بات ہوگئی ہے۔

انحطاط کے شکار ان جمہوری معاشروں میں ہم جنس پرستی عجیب وغریب طریقوں سے عام ہے۔مرد کی مرد کے ساتھ لواطت' عورتوں کی آپس میں بدفعلی اور حیوانات ودرندوں سے جنسی خواہش پوری کرنا عام سی بات ہے۔اسی طرح مردوں اور عورتوں کا باہم اجتماعی طور پر جنسی خواہشات پوری کرنا اور ایک دوسرے سے ایک ہی وقت میں برائی کرنا' جن کی مثال حیوانوں اور درندوں کے باڑوں میں بھی نہیں ملتی۔

ایک امریکی اخبار نے اعداد وشمار سے متعلق ایک رپورٹ شائع کی۔جس میں وہ لکھتا ہے کہ یہاں ۲۵ ملین ہم جنس پرست افراد ایسے ہیں جو ہم جنسوں کے درمیان شادی کے بارے میں قوانین کو تسلیم کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کو ایسے حقوق دینے کا مطالبہ کرتے ہیں' جیسے میاں بیوی (مرد اور عورت) کو حاصل ہیں۔اسی طرح ایک اخبار نے یہ بھی شائع کیا کہ امریکہ میں ایک ملین اشخاص ایسے ہیں' جو اپنی محرمات' یعنی ماؤں' بیٹیوں اور بہنوں سے جنسی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں۔اس حیوانی اباحیت کے نتیجے میں جنسی امراض کثرت سے پھیلے ہیں۔جن میں سب سے زیادہ تباہ کن ''ایڈز'' کی بیماری ہے۔اس طرح اس سے ناجائز بچے بھی بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ایک اخبار لکھتا ہے کہ ۷۵ فیصد انگریز بچے ناجائز ہیں۔

ان معاشروں میں خاندان کا نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگیا ہے۔باپ' بیٹیوں' ماؤں' بھائیوں اور بہنوں کے درمیان رحمت وشفقت ناپید ہے۔حتی کہ یہ معمولی بات ہوگی کہ دسیوں' بلکہ سینکڑوں بڑی عمر کی عورتیں اور مرد ایسے دیکھنے میں آئے ہیں کہ سڑکوں پر کتوں کو لیے پھرتے ہیں۔ان کو لے کر وہ باغیچوں کا رخ کرتے ہیں۔یہ کتے ان کی رہائش' ان کے کھانے پینے' بلکہ ان کے سونے میں بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں' اور تنہائی میں ان کے غمخوار ہوتے ہیں۔اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک تنہا زندگی گزارتا ہے۔کتے کے سوا ان کا کوئی غمگسار اور ہم نشین نہیں ہوتا۔

یہ اس عام آزادی کے چند نمونے ہیں' جو جمہوریت کا نتیجہ ہے' اور جس کے یہ لوگ گیت گاتے ہیں۔یہ ان کی وہ بدنما تہذیب ہے' جس پر یہ فخر کرتے ہیں' اور اس کی طرف دعوت

دیتے ہیں تا کہ لوگوں کو اس بدترین تہذیب میں شریک کریں۔ یہ چیزیں جمہوریت کے فساد کی انتہا ءاس کی عفونت اور اس کی بدبو کو ظاہر کرتی ہیں۔

باوجود یکہ یہ بات واضح ہے کہ مغربی جمہوری معاشرے پستی میں حیوانات کے درجے سے بھی نچلے درجے میں ہیں، شخصی آزادی کی وجہ سے ان کا معاشرہ حیوانات کے اجتماعی ریوڑ سے بھی بدتر ہے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مغربی جمہوری استعمار نے دنیا کو کس قسم کے مصائب سے دوچار کیا۔ ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ پسماندہ اور مقبوضہ قوموں کو ذلیل وخوار کیا۔ ان کی دولت کو ہڑپ کیا۔ ان کی پیداوار کو ہتھیا لیا۔ ان کے باشندوں کو کنگال کیا اور ان کے شہروں کو اپنی مصنوعات اور پیداوار کی فروخت کے لیے منڈیاں بنایا۔ یہ بات واضح ہے کہ جمہوریت اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے نافذ ہونے کے قابل ہی نہیں اور اس کے معنی میں تاویل کے بعد حقیقتاً وہ موجود ہوتی ہے اور نہ نافذ ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں جمہوریت پسندوں کا یہ قول جھوٹ ثابت ہو چکا ہے کہ ''مجالسِ نمائندگان (پارلیمنٹ) عام لوگوں کے ارادوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔'' اور یہ قول بھی کہ ''پارلیمنٹ تمام عوام کی عام خواہشات کا سیاسی ڈھانچہ ہے اور یہ اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ وہاں اکثر اراکین کے ووٹوں کے ذریعے جو قانون سازی ہوتی ہے اس میں عوام کی اکثریت کی رائے کا اظہار ہوتا ہے۔'' بقول ان کے 'حکام عوام کی اکثریت کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں اور وہ اپنی قوت بھی عوام سے حاصل کرتے ہیں' حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے۔

جمہوریت کی نمایاں ترین خرابیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی ملک میں پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرنے والی بڑی جماعتیں نہیں ہوتیں، تو حکومت اور حکمرانوں سے متعلق بڑے بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

اس سب کے باوجود مغرب کا کافر استعمار مسلمانوں کے ممالک میں جمہوری افکار کو پھیلانے اور رائج کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کافر مغرب جمہوریت کے ان کافرانہ افکار کو، جن کا اسلامی افکار

سے کوئی تعلق نہیں' مسلمانوں کے ممالک میں دھکیلنے میں کیونکر کامیاب ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کافر یورپ' اسلام اور مسلمانوں کا سخت ترین دشمن ہے' جو اسلام اور مسلمان دشمنی میں خون کے گھونٹ پیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾

(آل عمران:۱۱۸)

''بغض ان کے مونہوں سے ابل رہا ہے اور جو وہ سینے میں چھپائے ہوئے ہیں' وہ اس سے بہت بڑا ہے۔''

جب ان کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت کا راز اسلام ہے' کیونکہ اسلام کا عقیدہ ہی اس عظیم قوت کا منبع ہے' تو عالمِ اسلام کے خلاف انہوں نے ایک زبردست مشنری اور ایسی ثقافتی جنگ لڑنے کا خطرناک منصوبہ بنایا' جس کے ذریعے پھر انہوں نے اپنی ثقافت اور اپنے افکار کو مسلمانوں کے اندر داخل کیا۔ جمہوریت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے' جس کے ذریعے اپنی ثقافت اور زندگی کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کی طرف انہوں نے مسلمانوں کو دعوت دی' اور کہا کہ وہ جمہوریت کو اپنی فکر کی بنیاد اور زندگی کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بنائیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں کو اسلام سے متنفر اور اس سے دور' اور اس کے احکام کے نفاذ سے روکنا چاہتے تھے' تاکہ اسلامی ریاست یعنی خلافت کو ختم کرنا ان کے لیے آسان ہو جائے اور نتیجے کے طور پر وہ اسلام کو زندگی' ریاست اور معاشرے میں لاگو ہونے سے روک سکیں۔ یوں مسلمان ان کے کفریہ افکار' نظام اور قوانین کو اختیار کریں۔ اسلام کے بجائے ان کو نافذ کریں اور اسلام سے دور ہو جائیں۔ اسی طرح کافروں کو ان پر غلبہ حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ﴾ (البقرۃ:۱۲۰)

''اور یہود و نصاریٰ ہرگز آپ سے راضی نہیں ہوں گے' یہاں تک کہ آپ ان کی ملت

(دین) کی پیروی نہ کریں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے اور اگر آپ (ﷺ) نے ان کی پیروی کی، اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے، تو اللہ کی طرف سے پھر آپ کا کوئی مددگار اور دوست نہیں ہوگا۔''

یہ مشنری اور ثقافتی جنگ اس وقت شدت اختیار کر گئی جب انیسویں صدی کے آخری نصف میں خلافت عثمانیہ اپنے آخری ایام میں تھی۔ مسلمان فکری، علمی اور سیاسی انحطاط کا شکار ہو چکے تھے۔ یورپ میں فکری اور صنعتی انقلاب، علمی انکشافات اور ایجادات کے بعد طاقت کا توازن یورپی ریاستوں کے حق میں بہتر ہو چکا تھا، جس کے ذریعے تیز رفتار ترقی کا عمل شروع ہوا۔ جبکہ عثمانی ریاست جامد ہو کر رہ گئی، اور روز بروز کمزور ہونے لگی اور اس کی وجہ سے مغربی ثقافت، مغربی افکار، مغربی تہذیب اور مغربی نظاموں کو مسلمانوں کے علاقوں میں داخلے کا موقع مل گیا۔

مغربی ممالک نے اس مشنری اور ثقافتی جنگ میں ایسا خطرناک اسلوب اختیار کیا کہ جس سے اسلام بے وقعت ہو گیا۔ اس کے احکام کے بارے میں مسلمانوں میں تشویش اور تشکیک پیدا ہوئی اور مسلمانوں کو یہ تأثر دیا گیا کہ اسلام ہی ان کی پسماندگی اور انحطاط کا سبب ہے، جبکہ مغرب کی ترقی کا راز اس کی تہذیب، اس کے افکار اور اس کا جمہوری نظام ہے۔ ان قوانین اور نظاموں کی وجہ سے وہ ترقی کے بامِ عروج پر پہنچ رہے ہیں۔

ساتھ ساتھ یہ انداز بھی اختیار کیا گیا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے متصادم نہیں، بلکہ دراصل یہ اسلامی تہذیب ہی سے ماخوذ ہے۔ اس کے نظام اور قوانین اسلامی احکامات کے خلاف نہیں ہیں۔ انہوں نے ان جمہوری افکار اور جمہوری نظام پر اسلام کا رنگ چڑھا دیا اور کہا کہ یہ اسلام کے مخالف یا اسلام سے متصادم نہیں، بلکہ یہ تو اسلام ہی میں سے ہیں۔ کیونکہ یہ بعینہٖ شوریٰ ہے اور یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حکام کا محاسبہ ہے۔ چنانچہ اس بات نے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا۔ یہاں تک کہ مغربی افکار اور مغربی تہذیب مسلمانوں کے اندر سرایت کر گئی۔

خلافتِ عثمانیہ کے آخری ایام میں مسلمانوں نے ان کے بعض قوانین اور نظاموں کو اپنایا، اور خلافت عثمانیہ کے انہدام کے بعد تو بیشتر قوانین اور نظاموں کو اختیار بھی کر لیا۔

مغربی ثقافت نے تعلیم یافتہ طبقہ، سیاستدانوں، حتی کہ اسلامی ثقافت اور اسلامی دعوت کے علمبرداروں کو بھی متأثر کیا اور عام مسلمان بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

تعلیم یافتہ طبقہ کے بیشتر افراد اس مغربی ثقافت سے متأثر ہوئے۔ جس کی بنیاد یہ تھی کہ انہوں نے مغرب میں یا اسلامی ممالک میں تعلیم حاصل کی تھی۔ کیونکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد اسلامی ممالک میں بھی تعلیم کی بنیاد مغربی فلسفے، اور زندگی کے بارے میں مغربی نقطۂ نظر پر رکھی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقے کے اکثر افراد مغربی تہذیب کے دلدادہ اور اس کے عاشق ہو گئے اور مغرب کی اس وجہ سے تعظیم کرنے لگے کہ اس نے یہ تہذیب پیش کی۔ وہ اسلامی تہذیب اور اُن اسلامی احکامات کو ناپسند کرنے لگے، جو مغربی تہذیب اور مغربی قوانین ونظام سے متصادم تھے۔ یہ اسلام سے کافروں جیسا بغض رکھنے لگے، اور اسلام، اسلامی ثقافت اور اسلامی احکامات سے عداوت کا برملا اظہار کرنے لگے۔ یہ مغرب، اس کی تہذیب، اس کے افکار اور نظاموں کے داعی اور اس کے آلۂ کار بن گئے، اور اس طرح اسلام، اس کی تہذیب اور اسلامی احکامات وقوانین پر حملہ اور اسلام کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔

جہاں تک سیاست دانوں کا تعلق ہے تو وہ مغرب اور مغربی نظام کے وفادار بن گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو مغرب سے وابستہ کر دیا، اور مغرب ہی کو اپنا قبلہ بنالیا، اور اسی سے مدد مانگنے لگے۔ اسی پر بھروسہ کرنے لگے اور مغربی قوانین اور مغربی نظام کے محافظ بن گئے۔ مغربی مفادات کی حفاظت اور ان کی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان کے فرمانبردار خادم بن گئے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ دشمنی پر اتر آئے اور اسلام کے خلاف سیاسی جنگ چھیڑ دی۔ اسلامی دعوت کے حاملین کو ستانے اور خلافت کے قیام کے راستے میں روڑے اٹکانے کے لیے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لے آئے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ اللہ ان کو ہلاک کرے! یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں؟

جہاں تک اسلامی ثقافت کے علمبرداروں کا تعلق ہے، تو وہ اسلام اور احکامِ شرعی کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے، اور نہ وہ مغربی تہذیب، اس کے افکار اور اس کے نظاموں کا اسلامی عقیدہ،

اس کے احکام' اس کی تہذیب اور نقطۂ نظر کے ساتھ تصادم کا اندازہ کر سکے۔ اس کا سبب اسلام اور اس کے احکام' شریعتِ اسلامی اور معاشرے میں اس کے نفاذ کی اہمیت اور ضرورت کو نہ سمجھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ایسی تشریح کی گئی' جس کی نصوص بالکل اجازت نہیں دیتی۔

چنانچہ حالات کو تبدیل کر کے اسلامی احکامات کے مطابق کرنے کے بجائے احکامات میں تاویل کر کے ان کو حالات کے تابع کیا جانے لگا۔ اور اس کے لیے اس من گھڑت قاعدے کا سہارا لیا گیا کہ: **لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان** ''زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے احکامات کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔'' اور اس کے لیے ایسے احکامات کو لیا گیا جس کی شریعت میں کوئی سند ہی نہیں' یا جس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ ہر کوئی اسلام کی اس طرح تاویل کرنے لگا کہ وہ ہر مذہب' ہر فکر اور ہر مبدأ کے مطابق ہو' خواہ وہ اسلامی احکامات اور نقطۂ نظر کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ یہ زبان زدِ عام ہو گیا کہ مغربی تہذیب اور اس کے افکار' اسلامی تہذیب اور اس کے احکام سے متصادم نہیں ہیں کیونکہ دراصل یہ اسلامی تہذیب ہی سے ماخوذ ہیں۔ یہ بھی کہا جانے لگا کہ جمہوری حکومتی نظام اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام اسلامی احکامات کے خلاف نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اپنی حقیقت کے لحاظ سے کفر ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اسلام میں جمہوریت ہے اور اسلام میں عام آزادیاں بھی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اسلام کے بالکل منافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان شش وپنج میں رہ گئے کہ کس چیز کو اختیار کرنا جائز ہے اور کس کو نہیں۔ مثلاً علم طب' انجینئیر نگ' کیمیا' زراعت اور صنعت کے علوم' مواصلات' ذرائع نقل وحمل وغیرہ' یہ سب مباحات ہیں۔ جب تک یہ اسلام کے حکم کے مخالف نہ ہوں' ان کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جس چیز کو اختیار کرنا جائز نہیں' وہ عقائد اور احکامِ شرعیہ سے متعلقہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ اس معاملے میں جو چیز رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں' یعنی کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ' اور جس چیز کی طرف ان دونوں نے اشارہ کیا ہے یعنی اجماعِ صحابہؓ اور قیاس کے علاوہ کسی اور چیز کو اختیار کرنا جائز نہیں۔

اس طریقے سے مغربی کافر کو اپنی تہذیب' اپنا نقطۂ نظر' اپنے جمہوری نظام کے افکار' اقتصادی نظام کے افکار اور عام آزادی کے افکار مسلمانوں کے علاقوں میں دھکیل دینے کا موقعہ مل

گیا۔اس سے قبل کہ ہم اسلام کے ساتھ جمہوریت کے تناقض کو بیان کریں، ہم چاہیں گے کہ ہم اس موضوع پر بات کریں کہ نصوصِ شرعیہ اور احکامِ شرع کے مطابق دوسری امتوں اور دوسری قوموں کی کس کس چیز کو اپنانا مسلمانوں کے لیے جائز ہے، اور کونسی چیز اپنانا مسلمانوں کے لیے حرام ہے؟ اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں:

۱۔ انسان کے تمام افعال اور انسانی افعال سے متعلقہ تمام اشیاء میں بنیادی چیز رسول اللہ ﷺ کا اتباع اور آپ ﷺ کے پیغمبرانہ احکامات پر عمل درآمد ہے۔ کیونکہ احکام کی عام آیات ہر عمل میں شرع کی طرف رجوع کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۷)

''اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع کردیں، اس سے رک جاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء:۶۵)

''(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ:۱۰)

''اور کسی چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لوٹادو۔''

مزید فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء:۵۹)

''اگر تم کسی معاملے میں تنازع کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹادو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے نقل کیا ہے:

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ عمل مسترد ہے۔''

(مَن اَحْدَث فِی اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیسَ مِنهُ فَهُوَ رَدٌّ)

''جس شخص نے ہمارے اس معاملے (دین کے معاملے میں) کوئی نئی بات پیدا کی، جو اس میں سے نہ ہو، تو وہ مردود ہے۔''

یہ تمام آیات اور احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ ہر فعل اور ہر کام میں بنیادی چیز شریعت کا اتباع ہے۔ کسی مسلمان کے لیے اللہ کا حکم معلوم کیے بغیر کسی فعل کو کرنا یا اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ یعنی وہ یہ معلوم کرے کہ یہ عمل فرض ہے یا سنت، پھر اس کو کرے۔ اس طرح یہ معلوم کرے کہ یہ عمل حرام ہے یا مکروہ، پھر اس کو ترک کرے۔ یا یہ عمل مباح ہے، جس میں اس کو اختیار ہے، چاہے تو کرلے ورنہ چھوڑ دے۔

چنانچہ افعال میں اصل اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور وہ اشیاء، جو افعال سے متعلقہ ہیں، ان کا اصل اباحت (حلت) ہے، جب تک کہ حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصوصِ شرعیہ نے تمام اشیاء میں اباحت کو اصل قرار دیا۔ اور تمام نصوص عام ہیں، جو تمام اشیاء پر مشتمل ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَلَكُمْ مَّافِی السَّمٰوَاتِ وَمَافِی الْاَرْضِ﴾ (القمان:۲۰)

''کیا تم نے نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اسے تمہارے لیے مسخر کردیا۔''

اور مسخر کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اسے تمہارے لیے مباح کردیا۔ مزید ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرة: ۲۹)

''اور اللہ ہی وہ ذات ہے، جس نے زمین کی ہر چیز کو تمہارے لیے پیدا کیا۔''

﴿يَاأَيُّهَاالنَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا﴾ (البقرة:۱۶۸)

''اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں' ان میں سے کھاؤ۔''

اسی طرح ارشادِ باری ہے:

﴿هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْامِنْ رِّزْقِهٖ﴾ (الملك:۱۵)

''اور اللہ ہی وہ ذات ہے' جس نے زمین کو تمہارے تابع کر دیا۔ پس چلو پھرو اس پر اور اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ۔''

اشیاء کی اباحت کے بارے میں یہ تمام آیات عام ہیں۔ ان آیات کا عام ہونا تمام اشیاء کی اباحت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اشیاء کی اباحت شارع کے عام خطاب کی وجہ سے ہے۔ اس لیے کسی چیز کی حرمت کے لیے ایسی نص کی ضرورت ہے' جو اس عام میں تخصیص پیدا کرے۔ اور اس عام اباحت سے بعض اشیاء کے استثنیٰ پر دلالت کرے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَااُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَااَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (المائدة:۳)

''حرام کیا گیا ہے تم پر' مردار' خون اور خنزیر کا گوشت۔ اور وہ جانور' جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور وہ جانور' جو گلا گھونٹ کر' یا چوٹ کھا کر' یا بلندی سے گر کر' یا ٹکر کھا کر مرا ہو' یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اسکے' جسے تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت میں ماضی کے تمام واقعات' موجودہ دور کے تمام مسائل اور آئندہ کی تمام مشکلات کے بارے میں احکامات موجود ہیں۔ پس ماضی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں' دورِ حاضر کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں' اور مستقبل میں کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہ ہوگا' جس کا شریعت میں حکم موجود نہ ہو۔

چنانچہ شریعتِ اسلامی نے انسان کے تمام افعال کا مکمل احاطہ کیا ہوا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ (النحل: ۸۹)

''اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی، جو ہر چیز کو واضح کر کے بیان کرتی ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔''

اور فرمایا:

﴿مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۳۸)

''ہم نے اس کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

مزید فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة: ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے صرف اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔''

پس اسلامی شریعت نے بندے کے کسی فعل کو مہمل قرار نہیں دیا۔ چنانچہ شریعت میں ہر فعل کے لیے یا تو قرآن وحدیث سے نص موجود ہے، یا قرآن وحدیث میں ایسا اشارہ موجود ہے، جو اس فعل کے مقصد اور علت کو بیان کرتا ہے تاکہ اس کا اطلاق ہر اُس چیز پر کیا جا سکے، جس میں یہ علت موجود ہو۔ شرعاً یہ ممکن نہیں کہ انسان کے کسی فعل کی کوئی دلیل موجود نہ ہو، یا کم از کم اس کے حکم پر دلالت کرنے کے لیے اشارہ نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عام ہے: ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ''ہر چیز کو صاف صاف بیان کرنے والی۔'' علاوہ ازیں یہ بھی واضح اور صریح نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کر دیا۔

۳۔ مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے لیے دوسری امتوں اور دوسری قوموں کے پاس موجود کونسی چیز کو اختیار کرنا جائز ہے اور کس چیز کو اختیار کرنا جائز نہیں۔

پس سائنس، صنعت اور ایجادات وغیرہ سے متعلقہ افکار اور سائنسی ترقی کے نتیجے میں مدنی اشکال اور صنعت کو اپنانا اُس وقت تک جائز ہے، جب تک کہ یہ کسی اسلامی حکم کے مخالف نہ ہوں۔ جب کسی شرعی حکم کی مخالفت لازم آئے، تب اِن کو اختیار کرنا حرام ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس، صنعت اور ایجادات سے متعلقہ افکار اور ان تمام مدنی اشکال کا تعلق عقیدے کے ساتھ نہیں، اور نہ ان کا تعلق شرعی احکامات کے ساتھ ہے، جو انسانی زندگی کی ہر مشکل کو حل کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق ان مباح اشیاء سے ہے، جن سے انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اس کی دلیل وہ تمام عام آیات ہیں جو کائنات میں موجود تمام اشیاء سے نفع اٹھانے کے لیے انسان کے لیے مباح ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ مسلمؒ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيءٍ مِّنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْهُ بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيءٍ مِّنْ اُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ)

''یقیناً میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، اور میں تمہارے دین کے بارے میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اسے پکڑ لو (اس پر عمل کرو) اور اگر میں تمہارے دنیاوی معاملات کے بارے میں کوئی رائے دوں تو (جان لو!) کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں۔''

مراد یہ ہے کہ اس کو اختیار کرنا لازمی نہیں۔ جیسا کہ کھجوروں کے درختوں کو نر کھجور کا پیوند دینے کی حدیث میں ہے۔ (اَنْتُمْ أَدْرٰى بِشُؤُنِ دُنْيَاكُمْ) ''تم اپنے دنیاوی معاملات کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھتے ہو۔'' علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہؓ کو ہتھیاروں کی صنعت سیکھنے کے لیے یمن کی طرف بھی بھیجا تھا۔

مختصر یہ کہ جس چیز کا تعلق عقائد اور احکامات سے نہ ہو، تو اُس وقت تک اُس کو اپنانا جائز ہے، جب تک کہ وہ شرعی حکم کے خلاف نہ ہو، اور اس کی حرمت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔

اس اصول کی بنیاد پر تمام سائنسی علوم کو مثلاً طب، انجینیئرنگ، ریاضی، فلکیات، کیمیا، فزکس، زراعت، صنعت، مواصلات، بحری علوم، جغرافیہ اور اقتصادیات سے متعلقہ وہ علم، جو پیداوار

کی بہتری اور اس کی ترقی کے بارے میں بحث کرے‘ ان سب کو لینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ علم عالمی چیز ہے۔ اس کا اسلام اور سرمایہ داری یا کمیونزم سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا ان کو اپنانا اُس وقت تک جائز ہے‘ جب تک یہ کسی اسلامی حکم کے خلاف نہ ہوں۔ اسی طرح اسی اصول کی بنیاد پر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو اختیار کرنا جائز نہیں‘ جس میں وہ کہتا ہے کہ ''انسان اصل میں بندر ہے۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (الرحمن: ۱۴)

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکری جیسے سوکھے سڑے گارے سے بنایا۔''

اور فرمایا:

﴿وَبَدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾

(السجدة: ۷‘۸)

''اور انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی‘ پھر اس کی نسل کو حقیر پانی سے پیدا کیا۔''

مزید فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ (الروم: ۲۰)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔''

جس طرح ان علوم کو اختیار کرنا جائز ہے‘ اسی طرح ان سے پیدا ہونے والی مصنوعات‘ سامانِ آلات اور تمدنی اشیاء کو لینا بھی جائز ہے۔ چنانچہ سوائے مجسمہ سازی‘ شراب اور صلیب سازی کے کارخانوں کے‘ ہر قسم کے کارخانوں اور ان کی صنعت کو لینا (بنانا اور خریدنا) جائز ہے۔ چاہے یہ صنعتیں فوجی ہوں یا غیر فوجی اور چاہے یہ مصنوعات بھاری ہوں جیسے ٹینک‘ طیارے‘ راکٹ‘ مصنوعی سیارے‘ ایٹم بم‘ ہائیڈروجن بم‘ الیکٹرونک بم‘ کیمیائی ہتھیار‘ ٹرک‘ ریل گاڑیاں‘ بحری جہاز‘ یا یہ مصنوعات چھوٹی ہوں‘ مثلاً روزمرہ استعمال کی اشیاء‘ ہلکے ہتھیار‘ لیبارٹریوں کے آلات‘ طبی آلات‘ زرعی آلات‘ فرنیچر‘ قالین‘ دوسری عام استعمال کی اشیاء وغیرہ۔ ان تمام چیزوں کو لینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اُن اشیاء میں سے ہیں‘ جن کی اباحت کی دلیل عام ہے۔ چنانچہ

ان کا لینا بھی شرعی حکم یعنی مباح میں داخل ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی اتباع ہوگی۔ کیونکہ مباح بھی دوسرے احکامِ شرعی یعنی فرض، مندوب، حرام اور مکروہ کی طرح ایک حکم ہے۔

۴۔ وہ افکار، جن کا تعلق عقیدہ اور احکامِ شرعیہ کے ساتھ ہے، یا وہ افکار، جن کا تعلق اسلامی تہذیب اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر کے ساتھ ہے، اور وہ احکام، جن کا تعلق انسانی زندگی کی تمام مشکلات کے حل کے ساتھ ہے، تو یہ شریعت کے موافق ہی اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ ان کو صرف اسلامی شریعت ہی سے اخذ کیا جائے گا۔ یعنی وحی، جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی صورت میں ہے، یا اجماعِ صحابہؓ اور قیاس سے۔ کسی بھی حالت میں ان کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ان کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ممانعت کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس چیز کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور ہر اس کام سے رک جانے کا حکم دیا ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷)

''اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ۔''

اس آیت میں ''ما'' عموم کے لیے ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کو اختیار کریں اور ہر اُس چیز سے باز رہیں، جس سے منع کیا گیا ہے۔ اور آیت کا یہ بھی مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے احکامات کے علاوہ کسی اور چیز کو نہ اپنایا جائے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ شریعت کے ان احکامات پر عمل کیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلے کے التزام اور تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

"اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں۔"

مزید فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

"اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اپنے متنازعہ امور کے فیصلے کو اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو۔"

(د) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور کسی بھی بات میں اس (شریعت) سے نہ ہٹیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَّعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المائدة: ۴۸)

"اور ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف یہ کتاب نازل کی جو حق ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کتابوں پر غلبہ پانے والی (ان کو منسوخ کرنے والی) ہے۔ لہٰذا آپ (ﷺ) لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور محتاط رہیں کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے بعض نازل کردہ

(بعض احکامات) کے بارے میں فتنے میں نہ ڈال دیں۔''

(ھ) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شریعت اسلامی کے علاوہ کسی اور چیز سے کچھ اپنانے سے منع فرمایا ہے۔ارشاد ہے:

﴿فَلاوَرَبِّكَ لَا يُؤمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾(النساء:٦٥)

''(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔''

اورارشادِ باری ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور:٦٣)

''جو اس (محمد ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

مزید فرمایا:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾(النساء:٦٠)

''اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ اس (غیر اللہ) کا انکار کر دیں۔''

اوررسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(كُلُّ عَمَلٍ لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُ نَا فَهُوَرَدٌّ)

''ہر وہ بات جس کا ہم نے حکم نہیں دیا' وہ مسترد ہے۔''

پس یہ تمام نصوص واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے ہر حکم کی پابندی کریں۔ہم صرف اسی چیز کو حلال سمجھیں' جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا' اور صرف اسی

کو حرام سمجھیں، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ جس چیز کو رسول ﷺ لے کر نہیں آئے، ہم اس کو نہیں اپنائیں گے، اور جس کو حرام نہیں کیا، اسے حرام نہیں سمجھیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات: ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ میں ''ما'' اور ﴿وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ کے ''ما'' کو ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ سے ملاتے ہیں، تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ صرف وہ احکام اپنانا فرض ہے، جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے، ورنہ سخت عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے ایمان کی بھی نفی کی ہے، جو اللہ کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے احکام کے علاوہ کسی اور چیز سے فیصلہ کرے۔ ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ٦٥)

''(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔''

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فیصلہ صرف رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعض احکامات کے بارے میں لوگوں کے فتنے سے محتاط رہنے کے بارے میں ہدایت کی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَّعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المائدة: ٤٩)

''اور ان سے محتاط رہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ (ﷺ) کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔''

اس سے بڑھ کر قرآن نے ان لوگوں کی مذمت کی، جو کفریہ احکامات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ

الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً بَّعِيدًا﴾(النساء: ٦٠)

" کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں، اس پر جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل ہوا۔ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیراللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ طاغوت کا انکار کردیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے۔"

معلوم ہوا کہ شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کے مطابق فیصلہ کرنا گمراہی ہے۔ یہ طاغوت یعنی کفر کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب اور اس سے پھوٹنے والے نظام اور قوانین کو اختیار کرنا حرام ہے کیونکہ یہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہیں۔ البتہ انتظامی قوانین اور نظام کو اختیار کیا جاسکتا ہے، جو مباحات میں سے ہیں۔ جیسا کہ عمرؓ بن خطاب نے فارس اور روم سے دفتری نظام لیا تھا۔

مغربی تہذیب کی بنیاد دین کی زندگی اور ریاست سے جدائی پر ہے۔ جبکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد اسلامی عقیدے پر ہے، اور یہ زندگی اور ریاست کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق چلانے کو فرض قرار دیتی ہے۔

مغربی تہذیب منفعت کی بنیاد پر قائم ہے۔ منفعت ہی کو تمام اعمال کا معیار قرار دیتی ہے۔ لہٰذا یہ مکمل طور پر ایک منفعت پرستانہ تہذیب ہے۔ اس کے نزدیک منفعت کے علاوہ کسی اور چیز کی کوئی قیمت نہیں۔ اس لیے اس کے ہاں روحانی، اخلاقی اور انسانی قیمتیں (اقدار) ناپید ہیں۔

جبکہ اسلامی تہذیب روحانی بنیاد، یعنی ایمان باللہ پر قائم ہے اور تمام اعمال کا معیار حلال و حرام پر ہے۔ یہ تمام اعمال اور اقدار کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق چلانے کا حکم دیتی ہے۔ مغربی تہذیب کے نزدیک سعادت یہ ہے کہ انسان کو جسمانی تمتع کا زیادہ سے زیادہ حصہ میسر ہو اور اس کے اسباب مہیا کیے جائیں۔

جبکہ اسلامی تہذیب کے نزدیک سعادت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی' اور انسان کی ضروریات اور عضویاتی حاجات کو احکامِ شرعیہ کے مطابق پورا کرنا ہے۔

اسی وجہ سے جمہوری نظامِ حکومت' سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام' اور مغرب میں موجود عام آزادیوں کا نظام اختیار کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح جمہوری دستور اور قوانین' جمہوری بادشاہی حکومتی نظام' سودی بنکوں کا نظام' زرِ مبادلہ اور کرنسی کی عالمی مارکیٹیں وغیرہ، ان سب کو اپنانا بھی جائز نہیں۔ یہ سب کفریہ نظام اور قوانین ہیں۔ یہ اسلام کے ساتھ مکمل طور پر متناقض ہیں۔

جس طرح مغربی تہذیب اور اس سے نکلنے والے افکار اور نظاموں کو اپنانا جائز نہیں' بالکل اسی طرح اشتراکی تہذیب کو اپنانا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بھی اسلامی تہذیب سے مکمل طور پر متصادم ہے۔

اشتراکی تہذیب کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں' اور مادہ اشیاء کا اصل ہے اور کائنات کی تمام اشیاء اس مادی ترقی کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔

جبکہ اسلامی تہذیب اس عقیدے کی بنیاد پر ہے کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' اور تمام اشیاء اس کی مخلوق ہیں۔ اس نے انبیاء اور رسولوں کو اپنے دین کے ساتھ انسانیت کی طرف بھیجا اور انسانیت پر اپنے اوامر و نواہی کی اتباع کو واجب قرار دیا۔

اشتراکی تہذیب کی رائے یہ ہے کہ نظام ذرائع پیداوار سے لیا جاتا ہے۔ لہٰذا جاگیردارانہ معاشرے میں کلہاڑا پیداوار کا ذریعہ ہے اور اسی سے جاگیردارانہ نظام اخذ کیا جاتا ہے۔ پھر جب معاشرہ سرمایہ داری کی طرف ترقی کرتا ہے تو آلہ ذریعہ پیداوار بن جاتا ہے' اور اس سے سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آتا ہے۔ پس اس کا نظام مادی ترقی سے ماخوذ ہے۔

جبکہ اسلامی تہذیب کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے نظام بنایا' اور یہ نظام سیدنا محمد ﷺ کو دے کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ نظام پہنچایا' اور انسان پر فرض کیا کہ وہ اس نظام پر عمل پیرا ہو۔

اشتراکی تہذیب کی رائے ہے کہ مادی نظام ہی زندگی کا معیار ہے اور اس نظام کی ترقی

ہی سے معیار ترقی کرتا ہے۔

جبکہ اسلامی تہذیب کی رائے یہ ہے کہ حلال وحرام یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی زندگی میں اعمال کا معیار ہیں۔ پس ہر حلال کام کو کیا جائے گا اور ہر حرام سے اجتناب کیا جائے گا۔ یہ نہ ترقی کرتا ہے اور نہ تبدیل ہوتا ہے اور نہ اس میں نفع و مادیت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں صرف شریعت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکی تہذیب اور اسلامی تہذیب میں مکمل تناقض ہے۔ اس لیے اس تہذیب' اس کے افکار یا نظام کو اختیار کرنا بھی جائز نہیں۔

چنانچہ مادی ترقی کا نظریہ' انفرادی ملکیت ختم کرنے کا نظریہ' کارخانوں اور ذرائع پیداوار کی ملکیت ختم کرنے کا نظریہ' زمین کی انفرادی ملکیت ختم کرنے کا نظریہ' ان سب کو اختیار کرنا حرام ہے۔ اسی طرح افراد کو خدا ماننے اور اشخاص کی عبادت کا نظریہ بھی حرام ہے۔ اس کے علاوہ اس ملحدانہ تہذیب کے نظاموں اور کافرانہ افکار کو اپنانا بھی کفر ہے' اور یہ مکمل طور پر اسلام کے خلاف ہے۔

اب ہم پھر جمہوریت کی طرف آتے ہیں۔ تاکہ اسلام کے ساتھ اس کے مکمل تضاد کو بیان کریں۔ جمہوریت اسلام کے ساتھ اپنے مصدر' اپنے عقیدے' اپنی اساس' اپنے افکار اور نظاموں الغرض ہر لحاظ سے متصادم ہے۔

جمہوریت کا منبع انسان ہے۔ اس میں صرف عقل ہی کسی عمل کے اچھے یا برے ہونے کا حکم لگاتی ہے۔ اس کے بانی یورپ کے وہ فلاسفر اور مفکرین ہیں' جو یورپ میں بادشاہوں اور عوام کے درمیان خوفناک فکری جنگ کے بعد ابھر کر سامنے آئے۔ چنانچہ جمہوریت انسان کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اور اس میں حکمران انسانی عقل ہے۔

اور اسلام اس کے بالکل برخلاف اللہ تعالیٰ کی وحی پر مبنی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی طرف نازل فرمائی:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ۳،۴)

''(محمد ﷺ) اپنی خواہشات سے نہیں بولتے' یہ تو صرف وحی ہے' جو ان کی طرف آتی

ہے۔''

﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ (القدر: ۱)

''بے شک ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔''

حکم صادر کرنے کے لیے اسلام میں جس چیز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یعنی اس کی شریعت ہے نہ کہ عقل۔ کیونکہ عقل اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ۶۷)

''حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ﴾

''اگر کسی چیز میں تمہارے درمیان تنازع کھڑا ہو تو اس کو اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو۔'' (النساء: ۵۹)

اور فرمایا:

﴿وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِیۡهِ مِنۡ شَیۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ: ۱۰)

''اگر تم کسی بات میں اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ پر ہے۔''

جس عقیدے سے جمہوریت نکلی ہے وہ دین کا زندگی اور ریاست سے علیحدگی کا عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اس ''درمیانے حل'' پر مبنی ہے جو عیسائیوں میں سے دینی لوگوں (رجالِ دین) جنہیں بادشاہوں اور قیصروں نے زیردست بنایا ہوا تھا اور عوام کا استحصال کرنے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑنے اور ان کا خون چوسنے کے لیے ذریعہ بنایا ہوا تھا اور جو چاہتے تھے کہ ہر چیز دین کے نام پر ان کے قبضے میں ہو اور اُن فلاسفر اور مفکرین کے درمیان ہوا تھا جو دین اور رجالِ دین کے اقتدار کے منکر تھے۔ اگرچہ اس عقیدے نے دین کے وجود کا انکار تو نہیں کیا لیکن زندگی اور ریاست میں اس کے کردار کو معطل کر کے رکھ دیا۔ جس کے نتیجے میں پھر انسان نے اپنے لیے نظام

خود بنایا۔

یہ عقیدہ ہی وہ فکری قاعدہ ہے، جس پر مغرب نے اپنے افکار کی بنیاد رکھی، اور اسی سے ان کا نظام نکلا۔ اسی کی بنیاد پر انہوں نے اپنے فکری رخ اور زندگی کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کا تعیّن کیا اور اسی سے جمہوری نظام وجود میں آیا۔ اسلامی نظام اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ وہ اُس اسلامی عقیدے پر مبنی ہے، جو زندگی اور ریاست کے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق چلانے کو فرض قرار دیتا ہے۔ یعنی ان احکامِ شرعیہ کے مطابق، جو اس عقیدے پر مبنی ہیں۔ انسان اپنا نظام خود نہیں بنا سکتا۔ اس پر صرف یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے نظام پر چلے۔ اسی عقیدے کی بنیاد پر اسلامی تہذیب قائم ہے، اور زندگی کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر بھی اسی بنیاد پر ہے۔

جمہوریت جس اساس پر قائم ہے، وہ بنیادی طور پر دو افکار ہیں:

(۱) حاکمیتِ اعلیٰ عوام کی ہے۔

(۲) قوت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

جمہوریت کی رُو سے عوام خود اپنے ارادوں کے مالک ہیں، بادشاہ اور قیصر نہیں اور عوام اپنے ارادے خود نافذ کریں گے۔ بالادست اور اپنے ارادے کا مالک ہونے کی وجہ سے ان کو قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ وہ ایسے قوانین بنائیں گے، جو تمام عوام کی خواہشات کی عکاسی کرتے ہوں۔ وہ قانون سازی کے لیے اپنے نمائندے منتخب کریں گے، جو ان کی نمائندگی کرتے ہوئے قوانین بنائیں گے۔

عوام جو دستور، جو نظام اور جو قانون بھی بنانا چاہیں، بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح جس دستور، نظام اور قانون کو اپنی مصلحت کے تحت ختم کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ عوام شاہی حکومتی نظام کو جمہوریت میں، اور جمہوریت کو بادشاہی نظام میں بدل سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ جمہوری نظام میں صدارتی نظام کو پارلیمانی نظام سے اور پارلیمانی کو صدارتی نظام میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ فرانس، اٹلی، اسپین اور یونان میں ہوا۔ یعنی شہنشاہیت کو جمہوریت میں اور جمہوریت کو شہنشاہیت

میں تبدیل کیا گیا۔

اسی طرح وہ اقتصادی نظام کو سرمایہ داری سے اشتراکیت میں، یا اشتراکیت کو سرمایہ داری میں تبدیل کر سکتے ہیں۔انہوں نے اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ قانون بھی بنوایا کہ دین کو تبدیل کیا جاسکتا ہے یا چھوڑا جاسکتا ہے۔اسی طرح قانون کی رو سے زنا اور لواطت بھی جائز ہیں۔حتی کہ ان کاموں کو بطورِ پیشہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔چونکہ جمہوریت میں عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں، اس لیے وہ اپنے من پسند حاکم کا انتخاب کر سکتے ہیں۔تاکہ وہ ان کے اپنے بنائے ہوئے قوانین کو ان پر نافذ کرے۔یہ حاکم کو معزول بھی کر سکتے ہیں اور حکمران کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔کیونکہ یہ طاقت کا سرچشمہ ہیں، اور حکمران ان کے سہارے حکومت کرتا ہے۔

جبکہ اسلام میں بالادستی شریعت کو حاصل ہے، نہ کہ امت کو۔صرف اللہ تعالیٰ قانون ساز ہے۔پوری امت مل کر بھی ایک حکم نہیں بنا سکتی۔چنانچہ تمام مسلمان جمع ہو جائیں، اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے سود کے مباح ہونے پر اجماع کریں، یا خاص خاص مقامات پر زنا کے جواز پر اجماع کریں، تاکہ زنا عام نہ ہو پائے، یا انفرادی ملکیت کے خاتمے پر اجماع کریں، یا روزے کی فرضیت کو ختم کرنے پر اجماع کریں، یا عام آزادیوں کے لیے اجماع کریں، تاکہ مسلمانوں کو عقیدے کی آزادی ہو اور جو عقیدہ وہ پسند کریں اسے اختیار کریں، یا یہ کہیں کہ مال کو بڑھانے کے لیے کسی بھی طریقہ کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے، اگرچہ وہ طریقہ فی نفسہٖ حرام ہو، یا شخصی آزادی کو مباح قرار دیں، تاکہ زندگی سے لطف اٹھائیں، خواہ یہ شراب پی کر ہو، یا زنا کے ذریعے سے ہو، تو اس اجماع کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔اسلام کی نظر میں اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔مسلمانوں میں سے اگر کوئی گروہ اس قسم کا ارادہ ظاہر کرے تو اس سے قتال فرض ہے، یہاں تک کہ وہ اس سے رجوع کرے۔مسلمانوں کے لیے کوئی ایک عمل بھی خلافِ اسلام کرنا جائز نہیں۔اسی طرح کوئی ایک حکم بنانا بھی جائز نہیں۔اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہے۔ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ٦٥)

''(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔''

اور ارشاد فرمایا گیا کہ حکومت تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ مزید فرمایا:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ﴾ (النساء: ٦٠)

'' کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں، اس پر جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل ہوا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ طاغوت کا انکار کر دیں۔''

طاغوت کے پاس اپنے فیصلے لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے فیصلے غیر اللہ یعنی انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق کرنا۔ ارشاد ہے:

﴿اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ﴾ (المائدة: ٥٠)

''کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا اور کون ہے؟ یہ بات ایسی قوم کے لیے ہے جو یقین رکھتی ہے۔''

حکمِ جاہلیت سے مراد ہر وہ حکم ہے جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر نہیں آئے۔ بلکہ اس کو خود انسان نے بنایا۔ اور ارشاد باری ہے:

﴿فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ يُصِيۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ (النور: ٦٣)

''جو اس (محمد ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے مراد انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار

کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو چھوڑ دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ عمل مسترد ہے۔''

اس حدیث میں ہمارے حکم سے مراد اسلام ہے۔

بے شمار آیات اور احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بالادستی صرف شریعت کو حاصل ہے اور قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے مطابق سرانجام دے۔ اسلام نے اللہ کے اوامر ونواہی کی تنفیذ کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو نافذ کرنے کے لیے ایک ایسے اقتدار کی ضرورت ہے، جو ان کو نافذ کرے۔ چنانچہ امت کو اختیار دیا گیا، یعنی حاکم کے انتخاب کا حق، تاکہ وہ حاکم اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی نافذ کرے۔ یہ بیعت کی احادیث سے ماخوذ ہے، جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر بیعت کے ذریعے خلیفہ کے تقرر کو مسلمانوں کا حق قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(وَمَنْ بَایَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ یَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ ، فَلْیُطِعْهُ اِنِ اسْتَطَاعَ ، فَاِنْ جَآءَ آخَرُ یُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔''

اس طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ ، مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً)

''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

عبادہؓ بن الصامت کہتے ہیں:

(بَایَعْنَارَسُوْلَ اللّٰہِﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْمَکْرَہِ وَالْمَنْشَطِ)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسندیدہ اور ناپسندیدہ (دونوں حالتوں) میں سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔''

اور بھی کئی احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امت ہی کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کے ذریعے خلیفہ کا تقرر کرے گی۔

اگرچہ شریعت نے امت کو شریعت کے نفاذ کے لیے اپنا حاکم بذریعہ بیعت منتخب کرنے کا اختیار دیا ہے، لیکن جمہوری نظام کی طرح حاکم کو معزول کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ اس لیے حدیث میں ہے کہ خلیفہ کی اطاعت فرض ہے، اگرچہ وہ ظلم کرے۔ لیکن اس وقت تک، جب تک کہ وہ گناہ کے کام کا حکم نہ دے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ رَاٰی مِنْ اَمِیْرِہٖ شَیْئًا یَکْرَھُہٗ ، فَلْیَصْبِرْ ، فَاِنَّہٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَمَاتَ ، فَمِیْتَۃٌ جَاھِلِیَّۃٌ)

''جو شخص اپنے امیر کے کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھے تو اس پر صبر کرے کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا، اور اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اور عوفؓ بن مالک سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(.....وَشِرَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تُبْغِضُوْنَھُمْ وَیُبْغِضُوْنَکُمْ وَتَلْعَنُوْنَھُمْ وَیَلْعَنُوْنَکُمْ ، قَالَ: قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَفَلا نُنَابِذُھُمْ عِنْدَ ذَالِکَ؟ قَالَ: لَا ، مَااَقَامُوْا فِیْکُمُ الصَّلَاۃَ ، اَلَا مَنْ وَلِیَ عَلَیْہِ وَالٍ فَرَاٰہُ یَاْتِیْ شَیْئًا مِنْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ ، فَلْیَکْرَہْ مَایَاْتِیْ مِنْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ ، وَلَا یَنْزِعَنَّ یَدًا مِّنْ طَاعَۃٍ)

''.....اور تمہارے برے اماموں میں سے وہ لوگ ہیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور وہ تمہیں ناپسند کرتے ہیں۔ تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' راوی کہتا ہے کہ ہم

نے کہا: ''یارسول اللہ (ﷺ)! کیا اس وقت ہم انہیں (حکومت سے باہر نکال) پھینک نہ دیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔ سنو! جس پر کوئی والی بنا پھر اس نے دیکھا کہ وہ والی ایسا کام کرتا ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہے' تو اس آدمی کو چاہیے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کو تو ناپسند کرے' لیکن والی کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔''

اقامت صلاۃ سے مراد اسلام کے مطابق حکومت کرنا ہے۔ یہاں جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

حکمران کے خلاف خروج اس وقت تک جائز نہیں' جب تک کہ وہ کھلم کھلا کفر کا ارتکاب نہ کرے۔ جیسا کہ عبادہؓ بن الصامت کی روایت میں ہے:

(.....**فَبَايَعْنَاهُ ' فَقَالَ فِيْمَا اَخَذَ عَلَيْنَا اَنْ بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيْ مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا ' وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا ' وَاَثَرَةً عَلَيْنَا ' وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ**)

''..... ہم نے آپ (ﷺ) سے بیعت کی۔ آپ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم اپنی خوشی و ناراضی' تنگی وفراخی اور ہم پر کسی کو ترجیح دیے جانے پر بھی سنیں اور اطاعت کریں۔ اور یہ کہ ہم اولوالامر سے جھگڑا نہ کریں۔ (آپ ﷺ نے فرمایا:) مگر اس وقت جب کہ تم **کفر بواح** (کھلم کھلا کفر) دیکھو' جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل ہو۔''

خلیفہ کو صرف محکمۃ المظالم ہی معزول کرسکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جن امور کی وجہ سے خلیفہ کو معزول کیا جاتا ہے' ان میں سے کسی بھی امر کا پایا جانا ایک ظلم ہے' اور ظلم کو مٹانا ضروری ہے۔ لیکن اس کا ثبوت ضروری ہے اور قاضی کے سامنے اس کو ثابت کرنا لازمی ہے۔ محکمۃ المظالم ہی اسلامی ریاست میں ظلم کو مٹا سکتا ہے' اور اس کے قاضی کو کسی ظلم کو ثابت کرنے اور اس پر حکم لگانے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ خلیفہ کو ہٹانے یا اسے برقرار رکھنے کا اختیار بھی محکمۃ المظالم کو حاصل ہے۔

جمہوریت چونکہ اکثریت کی حکومت ہوتی ہے' اور اکثریت ہی قانون سازی کرتی ہے۔ اس لیے حکمرانوں' پارلیمنٹ کے اراکین' اداروں اور تنظیموں کے اراکین کا انتخاب اکثریت

ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔اسی طرح پارلیمنٹ میں قانون سازی' معاہدے اور فیصلے بھی اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔

لہٰذا جمہوریت میں اکثریت کی رائے حکمرانوں اور عوام سب کے لیے لازمی ہے' کیونکہ اکثریت کی رائے ہی کو عوام کا ارادہ سمجھا جاتا ہے' اور اقلیت کے لیے اکثریت کے سامنے سر جھکانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

اسلام میں یہ معاملہ بالکل مختلف ہے:

اسلام میں قانون سازی کی بنیاد اکثریت یا اقلیت نہیں' بلکہ صرف شرعی نصوص ہیں' کیونکہ قانون ساز صرف اللہ ہے' نہ کہ امت۔ احکام کو اختیار کرنے اور ان کو نافذ کرنے کا اختیار صرف خلیفہ کو حاصل ہے۔خلیفہ احکامات کو صحیح ترین نصوصِ شرعیہ' جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں سے ہوں' اجتہاد کے ذریعے حاصل ہونے والی مضبوط ترین دلیل سے اختیار کرے گا۔خلیفہ کے لیے احکامات میں سے کسی حکم کو نافذ کرنے کے لیے مجلس الامت کی رائے لینا جائز ہے' لیکن ضروری نہیں۔کیونکہ خلفائے راشدین کسی حکم کو اختیار کرتے وقت صحابہؓ کی طرف ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے رجوع کیا کرتے تھے۔جیسا کہ عمرؓ بن خطاب نے شام' مصر اور عراق کی مفتوحہ اراضی کے بارے میں حکم لگانے کے لیے مسلمانوں سے رائے لی۔

اس لیے خلیفہ احکامات کی ''تبنی'' کے لیے مجلس الامت کی طرف رجوع کرے' تو مجلس الامت کی رائے اس کے لیے لازم نہیں' اگرچہ یہ اجتماعی یا اکثریتی رائے ہو۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں اعتراض کرنے والے مسلمانوں کی رائے چھوڑ دی' حالانکہ وہ اکثریت میں تھے' اور معاہدہ کر ڈالا اور ارشاد فرمایا:

(اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ وَلَنْ اُخَالِفَ اَمْرَہٗ)

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' میں ہرگز اس کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا۔''

اور صحابہؓ کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امام (خلیفہ) متعیّن احکام اختیار کر سکتا ہے اور ان پر عمل کا حکم دے سکتا ہے۔اور مسلمانوں پر اپنی آراء کو چھوڑ کر خلیفہ کے حکم پر چلنا فرض ہے۔اسی سے یہ

مشہور قواعد بنے ہیں:

۱۔ اَمْرُ الْاِمَامِ یَرْفَعُ الْخِلَافِ

''امام کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے۔''

۲۔ اَمْرُ الْاِمَامِ نَافِذٌ ظَاھِرًا وَبَاطِنًا

''امام کا حکم ظاہری اور باطنی طور پر نافذ ہوتا ہے۔''

۳۔ لِلسُّلْطَانِ اَنْ یُّحْدِثَ مِنَ الْاَقْضِیَةِ بِقَدْرِ مَایُحْدِثُ مِنْ مُشْکِلَاتٍ

''سلطان نئے مسائل کے لیے بقدرِ ضرورت نیا حل تلاش کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ (النساء: ۵۹)

''اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔''

اور یہاں اولوالامر سے مراد حکام ہیں۔

فنی اور فکری امور سے متعلق قانون سازی میں تجربے، سوچ اور غور و فکر ضروری ہے۔ اس لیے اس میں درست رائے کا اعتبار ہوگا، اکثریت اور اقلیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ اس معاملے میں ماہرینِ فن کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ فوجی امور میں فوجی ماہرین، فقہی امور میں فقہاء اور مجتہدین، طبی امور میں ماہر اطباء، انجینیئرنگ میں ماہر انجینیئرز اور فکری امور میں بڑے مفکرین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ علیٰ ھٰذا القیاس ان جیسے امور میں رائے اور فکر کی درستی کا اعتبار ہوگا، اکثریت کا نہیں۔ صحیح بات اس کے ماخذ سے لے لی جائے گی، اور وہ ماہرین فن ہوں گے نہ کہ اکثریت۔ پارلیمنٹ کے اراکین، چاہے مسلمان ملکوں میں ہوں، یا مغرب میں، عموماً ماہرین نہیں ہوتے، اور ان امور میں گہری سوجھ بوجھ بھی نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان امور میں اراکین کی اکثریت کی رائے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ان کی مخالفت یا موافقت برائے نام ہوتی ہے، کسی احساس اور معرفت کی بنیاد پر نہیں۔ چنانچہ ان امور میں اکثریت کی رائے کو اختیار کرنا ضروری

نہیں ۔اس کی دلیل غزوۂ بدر کا واقعہ ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حبابؓ بن منذر کی رائے سے اس جگہ کو بدل دیا' جہاں آپ ﷺ اترے تھے' اور حبابؓ کی رائے کو ترجیح دی کیونکہ حبابؓ کو ٹھکانوں کا زیادہ علم تھا۔آپ ﷺ نے اس معاملے میں کسی اور صحابی سے مشورہ نہیں کیا۔

وہ امور' جن میں عملی اقدام کی ضرورت ہوتی ہے' سوچ بچار اور غور وفکر کی ضرورت نہیں ہوتی ' تو ان امور میں اکثریت کی رائے کو لیا جاتا ہے ۔کیونکہ اکثریت ان امور کا ادراک کرتی ہے۔ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی رائے دیں' جس میں سہولت اور آسانی ہو یا اس میں مصلحت ہو۔اس کی مثال: کیا ہم فلاں کو منتخب کریں یا فلاں کو' ہم نکلیں یا نہ نکلیں ؟ ہم صبح کے وقت سفر کریں یا شام کے وقت؟ ہم ہوائی جہاز سے سفر کریں یا بحری جہاز سے یا ریل گاڑی سے۔ ان جیسے امور کو ہر انسان جانتا ہے۔اس لیے اس میں کوئی بھی اچھی رائے دے سکتا ہے۔تو اس میں اکثریت کی رائے کا اعتبار ہوگا اور اکثریت کی رائے ہی کو لیا جائے گا۔اس کی دلیل غزوۂ احد کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور بڑے صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے نہ نکلا جائے' جبکہ اکثریت خصوصاً جوان صحابہؓ کی رائے تھی کہ نکل کر قریش کا مقابلہ کیا جائے ۔گویا رائے نکلنے اور نہ نکلنے کے بارے میں تھی۔

جب اکثریت نے نکلنے کی رائے دی تو رسول اللہ ﷺ اپنی اور کبار صحابہؓ کی رائے رد کرتے ہوئے مقابلے کے لیے مدینہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔

جمہوریت کے نمایاں ترین افکار میں سے ایک فکر عام آزادیوں کا نظریہ ہے ۔یہ جمہوریت کی بنیاد سمجھا جاتا ہے ۔کیونکہ اسی کے ذریعے فرد اپنے ارادے کو استعمال کرسکتا ہے اور اس کے مطابق' بغیر کسی جبر واکراہ کے' چل سکتا ہے ۔عوام کے تمام افراد کو جب تک خوب عام آزادی نہ دی جائے' اس وقت تک وہ اپنا عمومی ارادہ ظاہر نہیں کر سکتے۔

فرد کی آزادی جمہوری نظام میں ایک مقدس چیز ہے۔لہٰذا فرد یا ریاست اس آزادی کو ختم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام انفرادی نظام سمجھا جاتا ہے۔عام آزادیوں کی حفاظت کو ریاست کی اہم ذمہ داریوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جمہوریت کی عام آزادی سے مراد استعماریت کی شکار قوموں کو ان استعماری قوتوں سے آزادی دلانا نہیں؛ جو ان قوموں کی دولت سمیٹتی ہیں اور ان کی پیداوار چھینتی ہیں ۔ کیونکہ استعماریت کا نظریہ بھی جمہوریت کی عام آزادیوں کے نظریات کا نتیجہ ہے۔ ان عام آزادیوں کا مطلب ہے کہ غلامی سے آزادی دلانا' گردن چھڑانا نہیں۔ کیونکہ غلامی سے آزادی کا وجود اس دنیا میں ہے ہی نہیں۔

عام آزادیوں سے چار آزادیاں مراد ہیں:

(۱) عقیدے کی آزادی

(۲) آزادیٔ رائے

(۳) ملکیت کی آزادی

(۴) شخصی آزادی

اسلام میں ان چار قسم کی آزادیوں کا کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان اپنے تمام اعمال میں احکامِ شریعت کا پابند ہے ۔ وہ کسی عمل میں آزاد نہیں اور نہ اسلام میں آزادی ہے ۔ اسلام میں صرف غلام کی غلامی سے آزادی ہے' اور یہ غلامی بھی بہت عرصہ سے ختم ہو چکی ہے۔

یہ چار آزادیاں اسلامی احکامات کے سراسر خلاف ہیں۔ ان کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے:

عقیدے کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس قسم کا عقیدہ رکھنا چاہے' رکھ سکتا ہے اور جو دین وہ اپنے لیے پسند کرے' اختیار کر لے ۔ اسی طرح وہ پہلے عقیدے اور دین کو چھوڑ کر نیا عقیدہ اور دین بھی اختیار کر سکتا ہے اور دین کو چھوڑ کر بھی جا سکتا ہے۔ اس میں اس پر کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں ہوگا۔ تو گویا ایک مسلمان نصرانی یا یہودی بن سکتا ہے' بدھ مذہب اختیار کر سکتا ہے' یا اس آزادی کے نتیجے میں کمیونسٹ بھی بن سکتا ہے ۔ لیکن ریاست اسے منع نہیں کر سکتی۔ جبکہ اسلام اسلامی عقیدے کو چھوڑنے' یہودی' نصرانی' بدھ مت' اشتراکیت یا سرمایہ دارانہ عقیدہ اپنانے کو حرام قرار دیتا ہے۔ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا

۔اگر وہ اسلام کی طرف رجوع نہ کرے' تو اسے قتل کیا جائے گا ،اس کا مال لیا جائے گا اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دی جائے گی ۔آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ)

''جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔''

اگر مرتدین ایک جماعت کی شکل اختیار کریں اور اپنے ارتداد پر اصرار کریں' تو ان سے جنگ کی جائے گی ۔تا کہ وہ یا تو اسلام کی طرف لوٹ آئیں' یا ختم کر دیے جائیں ۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد کچھ لوگ مرتد ہوئے ۔ابوبکرؓ نے ان سے زبردست جنگ کی یہاں تک کہ جو باقی بچے' وہ دوبارہ مسلمان ہوئے ۔

جمہوری نظام میں آزادی رائے سے مراد یہ ہے کہ فرد کو اجازت ہے کہ وہ کوئی بھی رائے اور فکر کو اختیار کر سکتا ہے ۔اسی طرح وہ کسی بھی فکر اور رائے کی طرف دعوت بھی دے سکتا ہے ۔اس کو مکمل آزادی ہوگی اور اس کے لیے وہ کسی بھی قسم کا اسلوب اختیار کر سکتا ہے ۔کوئی فرد یا ریاست اس وقت تک اس کو منع نہیں کر سکتے' جب تک اس عمل سے کسی دوسرے کی آزادی متأثر نہ ہو۔

اسلام میں معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ہر مسلمان اپنے تمام افعال اور اقوال میں نصوصِ شرعیہ کا پابند ہے ۔اس کے لیے کوئی ایسا عمل کرنا' یا کوئی ایسی بات کہنا' جو نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہو' جائز نہیں ۔اس لیے ایک مسلمان اسی رائے کو اختیار کر سکتا ہے اور اس کی طرف دعوت دے سکتا ہے' جس کی نصوصِ شرعیہ اجازت دیں ۔مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ایسی رائے کا علمبردار بنے یا اس کی طرف دعوت دے' جس کی نصوصِ شرعیہ اجازت نہیں دیتے ۔اگر پھر بھی وہ ایسا کرے تو اسے سزا دی جائے گی ۔لہٰذا مسلمان رائے کے اعتبار سے احکامِ شرعیہ کا پابند ہے' آزاد نہیں ۔

اسلام ہر زمانے اور ہر جگہ حق کہنے کو فرض قرار دیتا ہے ۔جیسا کہ عبادہؓ بن الصامت کی حدیث میں ہے:

(.....وَاَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

''.....اور یہ کہ ہم ہر جگہ حق بات کہیں گے' جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

اس طرح اسلام نے حکام کو رائے دینے اور ان کا محاسبہ کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔

ام عطیہ نے ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے' انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)

''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔''

ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سائل کو جواب دیتے ہوئے فرمایا' جس نے عقبہ (گھاٹی) کے پاس آپ ﷺ سے سوال پوچھا تھا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟

(كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ عِنْدَ ذِیْ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)

''وہ حق بات' جو جابر حکمران کے سامنے کہی جائے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

(سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ حمزه بن عبد المطلب وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰی اِمَامَ جَائِرٍ فَاَمَرَهُ وَنَهَاهُ فَقَتَلَهُ)

''شہداء کے سردار حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں۔ اور وہ شخص' جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑے ہو کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے' اور وہ حکمران اسے قتل کر دے۔''

یہ رائے کی آزادی نہیں' بلکہ یہ احکامِ شرعیہ کی پابندی ہے۔ بعض حالات میں رائے کا اظہار مباح ہوتا ہے اور بعض دفعہ فرض۔

اسی طرح ملکیت کی آزادی سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کی پیداوار ہے۔ اس کے نتیجے میں قوموں کو نوآبادیات بنانے' ان کی دولت ہتھیانے' اور ان کی جائیدادیں چھیننے کا نظریہ پیدا ہوا۔ یہ نظریہ ابتداء میں کسی بھی طریقے سے مال کے مالک ہونے اور کسی بھی طریقے سے اس میں اضافہ کرنے کو مباح قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس نظام میں انسان مال کا مالک ہو کر استعماری طریقے

سے اس میں اضافہ کرسکتا ہے۔ چوری چکاری' ذخیرہ اندوزی' مضاربی سود' دھوکہ دہی' ملاوٹ' غبنِ فاحش (ٹھگی)' جواء' زنا اور لواطت' عصمت فروشی کے ذریعے' اور شراب' رشوت وغیرہ کے ذریعے اپنے مال کو بڑھا سکتا ہے۔ اسلام مال کمانے کی اس آزادی کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ وہ قوموں کے استعماری نظریے' ان کے وسائل چھیننے' اور ان کی دولت پر قبضہ کرنے کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔ اسی طرح سود کے خلاف بھی' جس کے فوائد مرکب ہوں یا مفرد' اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ ہر قسم کا سود اسلام میں ممنوع ہے۔

اسلام نے ملکیت کے اسباب' مال میں اضافے کے ذرائع اور اس میں تصرف کی کیفیت کو متعیّن کر دیا۔ اس کے علاوہ دوسرے طریقوں کو حرام قرار دیا' اور مسلمان کے لیے صرف ان اسباب کو اختیار کرنا فرض قرار دیا۔ اس کو آزاد نہیں چھوڑا کہ جو چاہے کرے۔ بلکہ اس کو شرعی احکام میں مقید کر دیا۔ اسلام نے چھینا جھپٹی' چوری' رشوت' سود' جواء' زنا' لواطت' دھوکہ بازی' ملاوٹ' ٹھگی' لین دین میں کھلے دھوکے' شراب بنانے اور فروخت کرنے' اور عصمت فروشی کے ذریعے مال کمانے یا مال میں اضافہ کرنے کو حرام قرار دیا۔ یہ مال کے مالک بننے یا مال کو بڑھانے کے تمام اسباب اسلام میں ممنوع ہیں۔ ان ذرائع سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے اور حاصل کرنے والے کو سزا بھی ملے گی۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں ملکیت کی آزادی نہیں' بلکہ ایک مسلمان مال کمانے اور خرچ کرنے میں احکامِ شرعیہ کا پابند ہے اور ان احکام سے تجاوز جائز نہیں۔

اسی طرح شخصی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر پابندی سے آزاد ہے۔ وہ ہر روحانی' اخلاقی اور انسانی قدر سے آزاد ہے۔ یہ خاندان کو توڑنے' اس کے ڈھانچے اور بندش کو کھول دینے والی آزادی ہے۔ اس کے نتیجے میں زبردست گمراہی کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور محرمات کو مباح کیا جاتا ہے۔ اور اسی آزادی نے مغربی معاشروں کو حیوانی معاشروں میں بدل دیا ہے' جسے دیکھ کر ہی انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

اس آزادی نے انسان کو یہ حق دیا کہ وہ اپنی شخصی اور ذاتی زندگی میں جو پسند کرے' اس

کو اختیار کرلے اور اس کو اختیار کرنے میں وہ مکمل طور پر آزاد ہے۔ ریاست یا کوئی اور اس کو روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس آزادی نے زنا' لواطت' ہم جنس پرستی' شراب نوشی' عریانی الغرض ہر برے کام کو جائز قرار دیا۔ اسلام اس آزادی کا سخت مخالف ہے۔ اسلام میں کوئی شخصی آزادی نہیں۔ مسلمان اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا پابند ہے۔ اس لیے کوئی ایسا کام کرنا حرام ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ لہٰذا کوئی حرام کام کا ارتکاب کرتا ہے' تو وہ سخت گنہگار ہے اور اسے سزا دی جائے گی۔

اسلام نے زنا' اغلام بازی' ہم جنس پرستی' شراب نوشی' عریانی وغیرہ سب کو حرام قرار دیا اور ان پر سخت سزا مقرر کی ہے۔ اسلام نے اعلیٰ اخلاق اپنانے اور اچھی خصلتیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اسلامی معاشرہ کو پاکیزگی اور پاک دامنی کا معاشرہ اور بلند اقدار کا معاشرہ بنایا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ مغربی تہذیب' مغربی اقدار' مغربی نقطۂ نظر' مغربی جمہوریت اور عام آزادیاں اسلامی احکامات سے کلی طور پر متصادم ہیں۔ وہ کافرانہ افکار' کافرانہ تہذیب' کافرانہ نظام اور کافرانہ قوانین ہیں۔ یہ کہنا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے اور شوریٰ اسی کا نام ہے' اور جمہوریت **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** بھی ہے' اور یہی حکام کا محاسبہ ہے۔ شوریٰ' **امر بالمعروف و نہی عن المنکر** اور حکام کا محاسبہ' یہ سب احکامِ شرعیہ ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور مسلمانوں کو ان پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے۔ جمہوریت کوئی حکمِ شرعی نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نہیں' بلکہ اس کو خود انسان نے وضع کیا ہے۔ یہ شوریٰ سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ شوریٰ اظہارِ رائے ہے اور جمہوریت زندگی کے بارے میں ایک نقطۂ نظر ہے۔ یہ دستوروں' نظاموں اور قوانین کی قانون سازی ہے' جسے انسان اپنی عقل سے وضع کرتا ہے۔ عقل ہی کی بنیاد پر اپنے مفادات کے لیے اس کی قانون سازی کی جاتی ہے۔ وحی کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے اسے اختیار کرنا' اس کی طرف دعوت دینا' اس کی بنیاد پر جماعتیں بنانا' زندگی کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر کو اپنانا' اسے نافذ کرنا' اسے دستوروں اور

قوانین کے لیے اساس بنانا' قوانین اور دستوروں کا اسے مصدر بنانا اور تعلیم یا اس کے مقصد کی بنیاد بنانا بالکل حرام ہے۔

یہ نجس ہے' اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ طاغوت ہے اور یہی کافرانہ افکار کا مجموعہ ہے۔ یہ کافرانہ نظام اور قوانین کا مرکب ہے۔ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مسلمانوں پر اسلام کو مکمل طور پر زندگی' ریاست اور معاشرے میں نافذ کرنا فرض ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَّعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:۱۱۵)

''اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور راہِ راست کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے۔ تو اسے ہم اسی طرف چلتا کر دیں گے' جدھر وہ خود پھر گیا۔ اور ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے' جو بدترین جائے قرار ہے۔''

(ترجمہ: ۲۰۰۰۔۱۱۔۰۲)